رجب/شعبان 1442 ہجری، مارچ 2021ء

ماہنامہ چشمِ بیدار لاہور

جلد نمبر 15 شمارہ نمبر 3

سرپرست اعلیٰ

شیخ آصف احمد

0333-4851638

مدیر : ملک احمد سرور

آئینۂ میگزین

1- ریاستِ مدینہ کے خواب اور کرتوت؟ اداریہ		3
2- سورۃ البلد	سیّد قطب شہید	5
3- رذائل اخلاق	ڈاکٹر محمد شریف چودھری	9
4- نظریۂ پاکستان	عبدالقادر خان	12
5- معراج النبی ﷺ	ابوبکر سراج الدین	20
6- تبدیلیٔ نظام کا فقط ایک ہی راستہ	خواجہ محمد اسلم	25
7- یتیم و مسکین کی مدد کرنے کی ترغیب نہ دینے کا انجام		30
8- اسلام میں عورتوں کے حقوق	طالب الہاشمیؒ	32
9- استقبال رمضان المبارک	مولانا محمد یوسف اصلاحی	36
10- حیرت اور خشیت الٰہی	عابد حسین عابد مرحوم	40
11- مدینہ منورہ سے تبوک تک	ڈاکٹر عبداللہ محسن	42
12- دانش پارے	علی حمزہ	46

Online: chashmebedar.blogspot.com

مجلس مشاورت

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

نصرت الدین — خواجہ اعجاز احمد

ڈاکٹر سعید احمد ملک — ظفر اقبال بلوچ

بریگیڈیئر (ر) محمد حنیف

پتہ خط کتابت

ماہنامہ چشمِ بیدار

شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ،

شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور -54000

فون مدیر: 0321-8004446

Email:chashmibedar@gmail.com

پروف ریڈنگ

قرآنی آیات اور احادیث نبویؐ کی پروف ریڈنگ میں بڑی احتیاط کی جاتی ہے، پھر بھی غلطی رہ جانے کا امکان ہے، اس پر ہم اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہیں۔ (ادارہ بیدار)

زرِ تعاون: فی شمارہ 50 روپے

پاکستان ———— 500 روپے

برائے چیک / آن لائن

CHASHM-E-BEDAR
Account: 0207-0100097053
Meezan Bank, Urdu Bazar
Lahore.

ناشر ملک سرور نے ارشد عثمانی پرنٹرز سہیل سنگھ سٹریٹ 72 چیمبرلین روڈ لاہور سے چھپوا کر شانِ اسلام گرلز ہائی سکول بلڈنگ، شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور سے شائع کیا

اداریہ

ریاستِ مدینہ کے خواب اور کرتوت؟

پاکستان " لاالہٰ الااللہ " کے نعرے پر وجود میں آیا اور عوام کا خیال تھا کہ پاکستان جدید دور کی ریاستِ مدینہ بنے گی جس میں نظامِ اسلام نافذ ہوگا مگر کچھ نہ ہوا۔نعرے لگتے رہے اور امیدیں وابستہ رہیں لیکن ریاست مدینہ دیکھنے کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہوا۔خواب کیا شرمندۂ تعبیر ہونا تھا ''پیپر ورک'' تک نہ کیا گیا۔فرقہ واریت کے ماحول میں اسلام کے نفاذ کے لیے 22 نکاتی دستاویز تو دی گئی مگر دینی جماعتیں اس کی روشنی میں کاغذ پر ریاستی دستور نہ بنا سکیں۔اس دستاویز نے دستور کیا دینا تھا، یہ تو فرقہ واریت کے آگے بند نہ باندھ سکی۔سپاہِ صحابہ، سپاہِ محمد، لشکرِ جھنگوی ،اور اس طرح کی دیگر ان گنت تنظیمیں اس دستاویز کے بعد ہی وجود میں آئیں۔ دینی و سیاسی جماعتوں نے معاشرے کو اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے تیار تک نہ کیا، اس لیے جب شہید ضیاء الحقؒ نے اسلام کے نفاذ کے لیے کچھ اقدامات کیے تو اس کے نتائج منفی آئے ۔حدود کے نفاذ سے چوریاں رکیں نہ ڈاکے، نہ بدکاری .... اور زکوٰۃ کے نفاذ سے غربت میں رتی برابر کمی نہ آئی ۔چوریوں ، ڈاکوں، بدکاری کے واقعات اور غربت میں اضافہ ہی ہوا۔اسلام دوسرے نظاموں کی طرح نافذ نہیں ہوسکتا، اس کے نفاذ اور ریاستِ مدینہ کے قیام کے لیے صاف ستھرا معاشرہ درکار ہوتا ہے ۔دورِ نبویؐ کی ریاست مدینہ اس وقت وجود میں آئی جب اسلامی احکام پر بلا چوں و چراں عمل کرنے اور ہر قسم کی قربانی دینے والے عوام تیار ہو چکے تھے۔ ریاست مدینہ کے عوام میں سے کسی کے ذہن میں بھی معاشی ترقی کا خواب نہ تھا بلکہ سب کو اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب تھی ، اس لیے انہوں نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے اپنے مال ہی نہیں اپنی جانیں بھی لگا دیں۔اسلام کا جو بھی حکم آیا، اس پر بلا چوں و چراں عمل کیا، شراب کی حرمت کا حکم آتے ہی شراب کے مٹکے گلیوں میں بہا دیے، حجاب کے احکام پر ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر عمل ہوا، مگر اب ریاست مدینہ چاہنے والوں کا ایک ہی خواب ہے کہ سونے کے پہاڑ مل جائیں ، دنیا کی ہر آسائش بغیر محنت کے مل جائے۔دورِ نبوت کی ریاست مدینہ بنانے والوں نے تو فاقے بھی کاٹے، جانیں بھی دیں ، کفار کا جسمانی تشدد بھی برداشت کیا مگر موجودہ دور کے عوام چاہتے ہیں کہ پسینے کا ایک قطرہ بھی نہ بہانا پڑے اور ریاست مدینہ بن جائے جس میں خوشحالی ہی خوشحالی ہو۔

عوام کے بارے میں تو کہا جا سکتا ہے کہ ان کا دورِ نبوت اور دورِ صحابہ کی ریاست مدینہ کا کوئی مطالعہ ہی نہیں، اس لیے اگر وہ بونگیاں مارتے رہیں تو تعجب کی کوئی بات نہیں مگر افسوس تو اس وقت ہوتا ہے جب مذہبی لیڈر اور علماء اس طرح کی گفتگو کرتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے مذہبی

لیڈروں اور علماء نے تاریخ کی بنیادی کتب پڑھی ہی نہیں، وہ تو ایک ہی خواب عوام کو دکھاتے ہیں کہ ہم برسراقتدار آ گئے تو ہر طرف دودھ اور شہد کی نہریں بہیں گی۔ یہ لیڈر تاریخ پر ایک نظر ڈال لیں کہ ریاست مدینہ میں خوشحالی کس سن میں اور کیسے آئی، اور کتنی قربانیوں کے بعد آئی۔ پھر اس ریاست مدینہ کے عوام کی سیرت و کردار پر بھی ایک نظر ڈال لیں۔ امانت، دیانت، ایثار، محنت اور اطاعتِ امیر کی صفات ان میں بدرجۂ اتم تھیں۔ خیانت اور کام چوری سے وہ نا آشنا تھے۔ ان میں پی آئی اے، ریلوے اور سٹیل ملز جیسے ادارے تباہ کرنے والے افراد کا بھی کوئی وجود نہ تھا۔ اس دور کی سرکاری مشنری موجودہ دور کی رشوت خور نوکر شاہی کی طرح نہ تھی۔ برائے نام تعداد کو چھوڑ کر موجودہ دور کے عوام اور سرکاری ملازمین کو دیکھ لیں کہ دنیا کی کون سی برائی ہے جو ان میں نہیں پائی جاتی۔ ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی، دھوکہ فریب، رشوت و کرپشن، ظلم و ناانصافی، نوسر بازی، کام چوری، غرضیکہ ہر برائی ان میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ جس طرح ایک اچھی اور مضبوط عمارت محض لوہے کے سریے سے وجود میں نہیں آتی بلکہ اس کے لیے اینٹیں، سیمنٹ، ریت، رنگ، لکڑی اور دیگر اجزاء بھی لازم ہوتے ہیں، اسی طرح ریاست مدینہ محض اکیلے دیانت دار حکمران سے نہیں بن سکتی بلکہ اس کے لیے عوام اور سرکاری ملازمین کا بھی صاحبِ کردار ہونا ضروری ہے۔ پاکستان میں تو امانت و دیانت ڈھونڈنے سے نہیں ملتی، یہاں کے عوام اور نوکر شاہی میں تو حقوق العباد یعنی فرائض کی ادائیگی کا تصور تک نہیں، اس لیے وزیراعظم پاکستان جس قدر چاہیں کوشش کر لیں، وہ اس وقت تک ریاست مدینہ نہیں بنا سکتے جب تک عوام اور نوکر شاہی کی اصلاح نہیں ہوتی۔

ہمارے مذہبی لیڈر ایک اور بات بھی سامنے رکھا کریں کہ یہ کہاں گارنٹی دی گئی ہے کہ اسلام کا نفاذ ہوتے ہی خوشحالی آجائے گی۔ ماضی قریب میں دیکھ لیں کہ افغانستان میں طالبان کے دورِ حکومت میں اسلام کلی طور پر نافذ تھا، وہ کم وبیش چھ سال برسراقتدار رہے مگر افغانستان میں کوئی خوشحالی نہ آئی۔ خوشحالی لانے کے لیے محنت و مشقت کرنا پڑتی ہے اور اس کے لیے طویل وقت اور سازگار حالات بھی درکار ہوتے ہیں۔ اگر وزیراعظم پاکستان ''ریاست مدینہ'' کا ذکر کرتا ہے تو خدارا کم از کم مذہبی لیڈر پھبتیاں نہ کسیں بلکہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے الفاظ کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت دے اور اس کے لیے حالات بھی سازگار بنائے۔ مذہبی لیڈر، ان کے پیروکار اور علماء کرام عوام کی اصلاح کریں اور انہیں بتائیں کہ دورِ نبوت اور دورِ صحابہ کرامؓ کی ریاست مدینہ کے عوام کس اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔ معاشرتی برائیوں میں غرق پست کردار کی حامل قوم کبھی ریاست مدینہ نہیں بنا سکتی، اس لیے عوام اپنے کردار کو اسلامی احکام کے مطابق بنائیں۔ **وماعلینا الا البلاغ المبین**

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ سیّد قطب شہیدؒ

سورۂ البلد

گزشتہ سے پیوستہ.....

﴿اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ o یَتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ o اَوْمِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍo﴾ (90 : 14 تا 16)

''یا فاقے کے دن کسی قریبی یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔''

مسغبہ کے معنی ہیں بھوک کے۔ قحط کے دنوں میں چونکہ کھانا مہنگا ہوتا ہے، اس لیے ان دنوں غریبوں کو کھانا کھلانا، ایمان کے لیے معیار بن جاتا ہے۔ اس وقت کی جاہلی سوسائٹی میں یتیموں کی حالت تو یہ تھی کہ ان کے حقوق ہر طرف سے پامال ہوتے تھے، ان کے مال کو غبن کیا جاتا تھا اور اس طرح سے اڑا لیا جاتا تھا کہ گویا زمین اسے کھا گئی، اگرچہ یتیم قریبی رشتہ دار ہوتا۔ اس لیے کہ اس جاہلی سوسائٹی میں لوگ دولت کے پیچھے کتوں کی طرح ہلکان ہو رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کو یتیم کے مال کی حفاظت کے لیے بار بار وصیت کرنی پڑتی، کیونکہ اس معاشرے میں یتیموں پر ظلم عام تھا۔ اس لیے یہ ہدایات قرآن حکیم میں جاری رہیں اور مدنی سورتوں میں یہ دی گئیں مثلاً میراث، وصیت اور نکاح کے قوانین کے ضمن میں۔ ہم نے سورہ بقرہ اور نساء میں اس موضوع پر مفصل بات کی ہے۔ خاک نشین مسکین کو کھانا کھلانا۔ اَوْمِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ (90 : 16) اس لیے کہا گیا ہے کہ اپنی بدحالی کی وجہ سے وہ خاک آلود ہے۔ یہاں یتیموں اور مسکینوں کو کھانا کھلانے سے قبل قید لگا دی۔

﴿فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ﴾ (90 : 14)

''فاقے کے دن کسی یتیم اور مسکین کو کھانا کھلانا۔''

یہ اس لیے کہ اس گھاٹی کو مشکل گھاٹی کہا گیا ہے اور یہ گھاٹی معیار ہے ایمانی شعور، رحم دلی، ایثار اور اسلامی سوسائٹی کے نظام تکافل کے لیے۔ لوگ اللہ کے اہل وعیال ہیں اور اللہ کے عیال کا خیال رکھنا ایمانی تقاضا ہے خصوصاً قحط سالی اور فاقوں کے دنوں میں اور دونوں کام، غلاموں کو آزاد کرنا اور غریبوں کو کھلانا، مکہ کی سوسائٹی میں نہایت ہی اہم تھے۔ اگرچہ یہ دونوں

کام اسلام کے عمومی مقاصد میں بھی داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے ان کا ایمان سے بھی مقدم ذکر کیا۔ حالانکہ ایمان لانا ایک بنیادی قاعدہ ہے۔ اس کے بعد پھر عمومی اور بنیادی اصول کا ذکر کیا گیا۔

﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ﴾

(17 : 90)

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آدمی ان لوگوں میں شامل ہو جو ایمان لائے اور جنہوں نے ایک دوسرے کو صبر اور رحم کی تلقین کی۔''

لفظ ثم یہاں ''پھر'' کے معنی میں نہیں ہے، کہ پہلے یہ دو کام ہیں اور بعد میں اسلام ہے، بلکہ معنی یہ ہے کہ یہ دو جزوی کام بھی ضروری ہیں لیکن ان سے پہلے ایمان لانا ضروری ہے، اور یہ ضروری اور عام اصول ہے، اور اعلیٰ مقام و مرتبہ ہے، اگر ایمان نہیں ہے تو پھر غلاموں کو آزاد کرنا، اور لوگوں کو کھانا کھلانا مفید ہی نہیں ہے۔ ہر اچھے عمل سے قبل ایمان لانا ضروری ہے۔ اللہ کے ہاں کسی بھی عمل صالح میں وزن صرف ایمان کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ایمان ہی اعمال کو ایک منہاج، مسلسل منہاج کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ ایمان کی وجہ سے عمل صالح مسلسل اور دائمی نوعیت اختیار کر لیتا ہے اور ایمان کے بغیر اگر کوئی نیکی کرتا ہے تو وہ محض ایک عارضی جوش ہوتا ہے۔ بدلتے ہوئے مزاجوں کے ساتھ بدل جاتا ہے، یا کسی مصلحت کی وجہ سے کوئی نیکی کرتا ہے یا تعریف سننے کے لیے۔

اب معنی یوں ہوا کہ مشکل گھاٹی یہ ہے کہ کسی غلام کو آزاد کر دے، یا کسی یتیم و مسکین کو فاقے کے دن کھانا کھلائے لیکن سب سے اول یہ کہ وہ اہل ایمان میں سے ہو اور ایک دوسرے کو صبر اور رحم کرنے کی نصیحت کرنے والوں میں سے ہو۔ ''ثم'' کا لفظ گویا یہاں ''پھر'' کے معنی میں نہیں بلکہ ''سب سے بڑی بات یہ ہے'' کا مفہوم دیتا ہے۔

صبر کی وصیت اس لیے ضروری ہے کہ ایمان کے تقاضوں میں سے بالعموم اہم تقاضا صبر ہے۔ اور دشوار گزار گھاٹی کو عبور کرنے کے لیے بالخصوص صبر کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر ایک دوسرے کو صبر کی وصیت بھی کرنا، یہ صبر سے بھی ایک اونچا درجہ ہے۔ یعنی اسلامی جماعت ایسے درجے پر ہوتی ہے کہ اس کے افراد اور کارکن باہم ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے ہیں اور اس طرح وہ ایمان کے تقاضے پورے کرنے میں ایک دوسرے کے لیے مدد و معاون ہوتے

ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کے احساسات ایک دوسرے کے ساتھ ہم رنگ ہوتے اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ قدم ملا کر چلتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ زمین کے اوپر ایمانی نظام کے قیام کا فریضہ صبر اور مصابرت ہی سے ادا ہوسکتا ہے۔ اس لیے وہ اس کارگراں کے سلسلے میں پیش آنے والی مشکلات پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے ثابت قدمی کا باعث بنتے ہیں۔ ایک دوسرے کو حوصلہ دیتے ہیں، ایک دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔ یہ صبر اور تواصی بالصبر انفرادی صبر سے آگے ایک بلند درجہ ہے۔ اگرچہ یہ صبر بھی انفرادی صبر ہی پر قائم ہوتا ہے لیکن تواصی بالصبر سے اشارہ اسی طرف ہے کہ مومنین اجتماعی صبر کریں۔ اور یہ کہ وہ ایک دوسرے کے لیے ہمت توڑنے کا باعث نہ بنیں بلکہ ہمت بندھانے کا باعث ہوں۔ ہزیمت کا باعث نہ بنیں بلکہ اقتحام اور مشکلات کو انگیز کرنے کا باعث بنیں۔ جزع فزع کا باعث نہ بنیں بلکہ ایک دوسرے کے اطمینان کا باعث بنیں۔

اسی طرح خلق خدا پر رحم کرنا ایک بات ہے اور ایک دوسرے کو لوگوں پر رحم کرنے کی تلقین کرنا ایک دوسرا فعل ہے جو رحم کی تلقین کرنے پر ایک زیادہ بات ہے۔ اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ یہ صفت جماعت مسلمہ کی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو رحم کی وصیت کریں اور اس فعل پر ایک دوسرے کو اکسائیں اور اسے ایک انفرادی اور اجتماعی فریضہ سمجھیں، کہ افراد جماعت کا یہ شعار ہو اور نکتہ تعاون ہو۔

صبر اور تواصی صبر، رحم اور تواصی رحم کے اندر سے یہ ہدایت نکلتی ہے کہ اسلام ایک اجتماعی دین ہے جس کے قیام کے لیے جماعت ضروری ہے، کیونکہ یہ ایک جماعت ایک سوسائٹی کا دین ہے اور اس کے قیام سے ایک امت وجود میں آتی ہے، لیکن یہ ایسا اجتماعی دین نہیں ہے کہ اس میں انفرادی ذمہ داری نہ ہو، یہ گویا انفرادی ذمہ داری کی بنا پر اجتماعی دین ہے۔ انفرادی ذمہ داری اس میں بہت واضح ہے۔

یہ لوگ جو اس مشکل گھاٹی کو عبور کرتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا:

﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ﴾ (90: 18)

''یہ لوگ دائیں بازو والے ہیں۔''

ان کو دوسری جگہ اصحاب الیمین کہا گیا ہے۔ یہ دائیں بازو والے اور سعادت مندی کی صفت والے ہیں۔ دونوں معانی ایمانی مفہوم سے پیوست ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ o عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌo﴾

''اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کیا وہ بائیں بازو والے ہیں، ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی۔'' بائیں بازو والے فریق کے بیان میں دوسری صفات کو ترک کر دیا گیا ہے۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا﴾ (90 : 19)

''اور جنہوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا۔''

کیونکہ جب کافر ہو گئے تو بات ختم ہوگئی۔ کفر کے ساتھ کوئی نیکی جمع ہی نہیں ہوسکتی اور نہ کسی برائی کا علیحدہ اعتبار ہوتا ہے، اس لیے کہ ہر برائی کفر کے اندر ہی ہوتی ہے اور یہ کفر اسے ڈھانپ لیتا ہے، لہٰذا اب اس بات کی ضرورت ہی نہیں ہے کہ یہ لوگ غلاموں کو آزاد نہیں کرتے، اور کھانا نہیں کھلاتے، پھر ان لوگوں نے اللہ کی آیات کا انکار کر دیا اور کافر ہو گئے تو پھر کوئی نیکی ان کے لیے مفید ہی نہیں ہے۔

یہ بائیں ہاتھ کے لوگ ہیں یا بد بخت لوگ، دونوں مفہوم مراد ہو سکتے ہیں، وہ بائیں ہاتھ والے بھی، اور منحوس بھی ہیں اور یہی دونوں مفہوم یعنی دائیں جانب اور نیک بخت ایمانی مفہوم میں بھی یکجا ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے جرأت کر کے دشوار گزار گھاٹی کو عبور نہ کیا۔

﴿عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ﴾ (90 : 20)

''ان پر آگ چھائی ہوئی ہے۔''

یعنی آگ کے دروازے ان پر بند ہیں یعنی حقیقی معنی میں کہ انہیں اندر کر کے ان پر جہنم کے دروازے بند کر دیئے گئے ہیں اور یا اس معنی میں کہ آگ کا عذاب ان پر چھایا ہوا ہے۔ یہ لازمی معنی ہے کہ وہ اس سے خارج نہ ہوسکیں گے۔ جب آگ کو ہٹا نہ سکیں گے تو وہ ان پر بند ہے۔ یہ دونوں مفہوم لازم وملزوم ہیں۔

یہ بنیادی حقائق جو اس انسان کی زندگی کے بنیادی امور ہیں، ایمانی عقیدے کے اساسیات ہیں، سب کے سب اس چند سطری سورت میں سمو دیئے گئے ہیں اور نہایت وضاحت اور زور دار انداز سے بیان کیے گئے ہیں۔ یہ ہے ممتاز خصوصیت قرآن کے انداز بیان کی۔ (ترجمہ: سید معروف شاہ شیرازی)

☆.....☆.....☆

ڈاکٹر محمد شریف چودھری

رذائل اخلاق

☆ چوری اور ڈاکا

قرآن اور حدیث نے چوری کی کوئی خاص تعریف (Definition) بیان نہیں کی بلکہ اسے معروف اور عام فہم معنوں میں لیا ہے۔ کسی دوسرے کی رکھی ہوئی چیز کو اس کی اجازت کے بغیر چھپا کر لے لینا یا اس کی عدم موجودگی میں اس چیز کو تصرف میں کر لینا چوری ہے۔ جبکہ کسی کی چیز کو اس کی موجودگی میں زبردستی چھین لینا ڈاکا ہے۔ رہزنی بھی ڈاکے کی ایک شکل ہے یعنی کسی راہ چلتے شخص یا کارواں پر حملہ کر کے اُن سے نقدی یا ان کی اشیاء چھین لینا۔ چوری اور ڈاکا ایک بہت بڑی سماجی، معاشی اور اخلاقی برائی ہے جس کی دنیا کے ہر قانون اور ضابطۂ اخلاق نے نہ صرف مذمت کی ہے بلکہ اس کی سزا بھی مقرر کی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص اپنی محنت سے جو چیز کماتا ہے یا حاصل کرتا ہے، دوسرا (یعنی چور یا ڈاکو) بغیر کسی جائز محنت کے اس پر قبضہ کر کے پہلے کو اس سے محروم کر دیتا ہے۔ اگر اس برائی کا سدباب نہ کیا جائے تو کسی کو اس کی محنت کا پھل نہ ملے۔

قرآن نے مومنوں کو ایک دوسرے کا مال باطل اور ناجائز طریقوں سے کھانے سے منع فرمایا ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت نمبر 188 میں ارشاد ہے: ''اور آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ اور نہ ہی اُسے حاکموں تک (بطور رشوت) پہنچاؤ تا کہ لوگوں کے مال کا کچھ حصہ تم جانتے بوجھتے ناجائز طور پر کھا جاؤ۔'' اسی طرح سورہ النساء کی آیت نمبر 29 میں ہے: ''اے مومنو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ تم آپس کی رضا مندی سے تجارتی لین دین کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو.....'' چوری (یا رہزنی، ڈکیتی) انہی باطل طریقوں میں ایک طریقہ ہے۔ اسلام نے جو بنیادی انسانی حقوق دیئے ہیں اُن میں جائیداد کی ملکیت اور تحفظ کا حق بھی ہے۔ چونکہ چوری (یا رہزنی) اس بنیادی انسانی حق کی سنگین خلاف ورزی ہے، لہٰذا اسلام نے چور کی سزا ہاتھ کاٹنا رکھی ہے جو ایک بہت بڑی سزا ہے۔ مزید برآں اگر چوری کا مقدمہ عدالت میں چلا جائے تو چوری کا مال واپس کر کے یا مالک

مال سے معافی حاصل کر کے چور سزا سے نہیں بچ سکتا۔ چور کو سزا ضرور دی جائے ۔تاہم وہ اللہ سے توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اللہ اس کو آخرت کی سزا سے معاف کر دے گا۔

چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا اسلامی حدود قوانین میں داخل ہے۔ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ نبیؐ نے چوری کی یہ سزا ایک ڈھال کی چوری یا اس کی مالیت (عموماً ایک چوتھائی دینار) کے برابر چیز کی چوری پر مقرر فرمائی ہے۔ تاہم پھل سبزیاں، پکے ہوئے کھانوں، کھانے پینے کی دوسری معمولی اشیاء پر قحط کے دنوں میں چوری، جہاد کے دوران چوری، محرم رشتے داروں کے گھروں سے چوری پر یہ سزا نہیں دی جاتی۔

ظہور اسلام کے وقت اہل عرب میں چوری کی عادت اتنی عام تھی کہ مسلمان ہونے والوں سے اس بات کی بیعت لی جاتی تھی کہ وہ چوری سے باز آ جائیں۔ عورتوں کی بیعت جس میں چوری نہ کرنے کا عہد لیا جاتا تھا سورہ الممتحنہ کی آیت نمبر 12 میں دی گئی ہے جبکہ مردوں کی بیعت کا ذکر نبیؐ کی احادیث میں ہے جس میں مردوں سے بھی چوری نہ کرنے کا وعدہ لیا جاتا تھا۔

ڈاکا زنی بھی چوری کی طرح انسان کے جائیداد کی ملکیت اور تحفظ کے بنیادی حق کی خلاف ورزی ہے، لہٰذا فقہا وعلماء نے اس کی بڑی سخت سزا سورہ المائدہ کی آیت نمبر 33 کے تحت مقرر کی ہے۔ ڈاکو کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں میں شمار کیا گیا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ اُسے قتل کیا جائے یا اُسے سولی دی جائے یا اس کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹے جائیں یا اُسے جلاوطن کیا جائے۔

آیاتِ قرآن مجید

1: جو لوگ اللہ اور اُس کے رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لیے کوشش کرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ یا تو وہ قتل کر دیئے جائیں یا اُنہیں سولی دی جائے یا اُن کے ہاتھ اور پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دیئے جائیں یا اُن کو جلاوطن کر دیا جائے۔(المائدہ:33)

2- اور جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ یہ ان کے فعلوں کی سزا ہے اور اللہ کی طرف سے عبرت ہے۔ اور اللہ زبردست (اور) صاحب حکمت ہے۔ اور جو شخص گناہ کے بعد توبہ کر لے اور نیکوکار ہو جائے تو اللہ اس کو معاف کر دے گا۔ کچھ شک نہیں کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (المائدہ:38-39)

3- اے پیغمبر جب تمہارے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرنے کو آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شرک کریں گی نہ چوری کریں گی نہ بدکاری کریں گی نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ اپنے ہاتھ پاؤں سے کوئی بہتان باندھیں گی اور نہ نیک کاموں میں تمہاری نافرمانی کریں گی تو ان سے بیعت لے لو اور ان کے لیے اللہ سے بخشش مانگو۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (الممتحنہ 12:60)

احادیث نبوی ﷺ

1- حضرت عائشہؓ نبی ﷺ سے روایت کرتی ہیں: چور کا ہاتھ ایک چوتھائی دینار یا زیادہ مالیت کی چوری کرنے سے کاٹا جائے۔ (بخاری، مسلم)

2- حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ڈھال جس کی قیمت تین درہم تھی چوری کر لینے پر چور کا ہاتھ کاٹا۔ (بخاری، مسلم)

3- حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے، وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ پھل چرانے اور کھجور کے سفید گابھے میں ہاتھ کا کاٹنا نہیں ہے۔ (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

4- بسرؓ بن ارطاۃ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، فرماتے تھے: غزوہ میں ہاتھ نہ کاٹے جائیں۔ (ترمذی، دارمی)

5- عائشہؓ سے روایت ہے کہ قریش کو مخزومی عورت کے واقعہ نے سخت فکر میں ڈالا جس نے چوری کی تھی۔ کہنے لگے کہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کون گفتگو کرے، پھر کہنے لگے: اسامہ بن زید جو رسول اللہ ﷺ کے پیارے ہیں۔ وہی جرات کر سکتے ہیں۔ اسامہ نے آپؐ کے ساتھ کلام کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو اللہ کی حدوں کی سفارش کرتا ہے؟ پھر آپ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: پہلے لوگوں کو اس بات نے ہلاک کر دیا کہ جب کوئی معزز آدمی چوری کرتا اس کو چھوڑ دیتے اور جب کوئی غریب چوری کرتا اس پر حد قائم کرتے۔ اور اللہ کی قسم اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ چوری کرے میں اس کا ہاتھ کاٹ دوں۔ (بخاری، مسلم)

☆.....☆.....☆

عبدالقادر خان

نظریۂ پاکستان

''پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جس دن ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت ابھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمۂ توحید پر ہے، وطن اور نسل پر نہیں۔ جب ہندوستان کا پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا بلکہ ایک جداگانہ قوم کا فرد بن گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آ گئی۔'' (مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں قائداعظم کا خطاب مارچ 1944ء)

قائداعظم کا یہ ارشاد نظریۂ پاکستان کی مکمل ترین وضاحت ہے۔ کلمۂ توحید کی بنیاد پر قومیت کا تصور اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے۔ اسی عقیدے کو دوسرے لفظوں میں دوقومی نظریہ بھی کہا گیا ہے۔ یہ عقیدہ اور نظریہ کیا ہے؟ اس کو سمجھے بغیر نظریۂ پاکستان کا مفہوم سمجھ میں آ سکتا ہے اور نہ قیام پاکستان کی طویل اور جانگسل جدوجہد کو سمجھا جا سکتا ہے، لیکن دوقومی نظریئے کو سمجھنے سے پہلے یہ ضروری ہے کہ ہم قوم اور قومیت کی اصطلاحات کے مفہوم سے آگاہی حاصل کر لیں۔

قومیت (NATIONALITY)

قومیت، یکجہتی کے ایک اجتماعی جذبے یا احساس کا نام ہے۔ کسی انسانی گروہ میں دو متضاد احساسات کے یکجا ہونے سے اس جذبے کی تکمیل ہوتی ہے یعنی ایک طرف اس گروہ کے افراد میں یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ ہم ایک ہیں (یہ قومیت کا مثبت یا ایجابی پہلو ہے) دوسری طرف وہ اجتماعی طور پر شدت سے یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ جن وجوہات کی بنا پر ہم ایک ہیں انہی وجوہات کی بنا پر ہم دوسرے لوگوں اور دوسرے گروہوں سے مختلف اور ممتاز ہیں۔ (یہ جذبۂ قومیت کا منفی یا سلبی پہلو ہے)

قومیت کا جذبہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا خود انسانی معاشرہ۔ قبل مسیح کے دور کے یونانی مفکرین کی تحریریں بھی قومیت کے تصور سے خالی نہیں ہیں لیکن ان کے ہاں یہ تصور ایک نہایت ناپختہ اور ابتدائی شکل میں سامنے آتا ہے۔ اس تصور کو جدید سائنسی بنیادوں پر پہلی مرتبہ عظیم مسلمان مورخ اور ماہر عمرانیات ابن خلدون نے اپنی شاہکار تصنیف 'مقدمہ' میں پیش کیا۔ ابن

خلدون اسے عصبیت کا نام دیتا ہے۔ بعد میں آنے والے مغربی اہل علم نے ابن خلدون کی عصبیت کو ''Nationality'' کا نام دے کر اسے ایک بنیادی تصور کی حیثیت سے مغربی فلسفۂ عمرانیات کا حصہ بنا دیا۔ جدید مغربی اہل علم میں سے لاسکی نے قومیت کے تصور کی خاصی معقول وضاحت ان الفاظ میں کی ہے:

''یہ خاص نوعیت کا احساسِ اتحاد ہے جو ان لوگوں کو جو اس احساس میں شریک ہوں باقی نوع انسانی سے ممیّز کر دیتا ہے۔'' (A GRAMMAR OF POLITICS)

سوال یہ ہے کہ قومیت کا جذبہ یا احساس لوگوں کے کسی گروہ میں کیوں پیدا ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں گلکرائسٹ نے کہا ہے کہ ''جذبۂ قومیت ایک روحانی احساس یا اصول ہے جو لوگوں کے ایسے گروہوں میں پیدا ہوتا ہے جو عام طور ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے ہوں، ایک ہی علاقے میں آباد ہوں، ایک ہی زبان بولتے ہوں، ایک ہی مذہب کے ماننے والے ہوں، ان کی تاریخ اور روایات میں اشتراک ہو، ان کے مفادات اور سیاسی روابط مشترک ہوں اور سیاسی اتحاد کے یکساں مقاصد ان کے پیش نظر ہوں۔'' (GILCHRIST: Principles of Political Science)

یہاں اس امر کی وضاحت کر دینا ضروری ہے کہ کسی قومیت کی تشکیل کے لیے کسی گروہ میں ان تمام شرائط اور عوامل کا بیک وقت ہونا ہرگز ضروری نہیں ہوتا جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے بلکہ صرف ایک یا چند ایک عوامل بھی قومیت کی تشکیل کے لیے مضبوط بنیاد فراہم کر سکتے ہیں، شرط صرف یہ ہے کہ قومیت کی تشکیل کرنے والے عوامل میں قومیت کے اجزاء کو قومیت کے مرکز کی طرف کھینچنے کی ایسی زبردست قوت موجود ہو جو انہیں منتشر اور متفرق بنانے والی تمام قوتوں پر غالب آجائے۔ اس کی بہترین مثال پاکستانی قومیت کی تشکیل کے عمل سے دی جاسکتی ہے۔ ہندوستان کے ہندو اور مسلمان کم وبیش ایک ہی نسل سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ جغرافیائی لحاظ سے متصل علاقوں میں آباد تھے۔ ایک ہی ملک ہندوستان کے شہری تھے، وہ ایک ہی جیسی زبانیں اور بولیاں بولتے تھے، ان کے روز مرہ رسوم و رواج میں بھی کوئی بہت بڑا فرق نہیں تھا۔ ان تمام اشتراکات کے باوجود دینی اتحاد کے جذبے نے قومیت کی ایک ایسی محکم بنیاد فراہم کر دی جس نے مسلمانوں کے ہندوؤں سے تمام اشتراکات کو یکسر محو اور باطل کر دیا اور محض دینی اشتراک کی بنیاد پر دنیا کی ایک عظیم الشان قوم ملت اسلامیہ پاکستان وجود میں آ گئی۔

بحث کو ختم کرنے سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ قومیت کی اصطلاح کا اطلاق محض ایک جذبے اور احساس پر نہیں ہوتا، انسانوں کے اس گروہ پر بھی ہوتا ہے جس میں یہ جذبہ اور احساس پایا جائے۔

قوم (NATION)

قوم اور قومیت بنیادی طور پر ایک دوسرے سے زیادہ مختلف تصورات نہیں ہیں، قوم قومیت ہی کی ایک زیادہ ترقی یافتہ، واضح اور مکمل صورت کا نام ہے۔ تاہم ان دونوں کے فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ مندرجہ ذیل دو تصریحات سے یہ فرق بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔

لارڈ برائس (LORD BRYCE) کہتا ہے: ''قوم ایک ایسی قومیت ہے جس نے خود کو ایک سیاسی وجود کے طور پر منظّم کر لیا ہو پھر اس نے یا تو خود مختاری حاصل کر لی ہو یا وہ اس کے حصول کے لیے کوشاں ہو۔''

ہیز (HAYES) کے الفاظ ہیں:

''ایک قومیت اتحاد، خود مختاری اور اقتدارِ اعلیٰ حاصل کرنے کے بعد قوم بن جاتی ہے۔''

اب تک قوم اور قومیت کے بارے میں ہماری تمام بحث مغربی تصورات کے حوالے سے تھی، جہاں تک اسلام کے تصور ملت یا امت کا تعلق ہے اپنی تعریف کے اعتبار سے یہ انگریزی مصطلحات NATION اور NATIONALITY سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یعنی اسلام کی اصطلاح میں بھی ملت لوگوں کے اس گروہ کو کہا جاتا ہے جس کے اجزاء میں باہمی یک جہتی اور اخوت کا احساس اور دنیا کی دوسری ملتوں اور قوموں سے امتیاز اور علیحدگی کا احساس پایا جائے البتہ ایک چیز جو اسلام کے تصور ملت کو مغرب کے '' NATION '' کے تصور سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ اصول ہے کہ کسی ملت کو تشکیل دینے والے احساسِ اخوت اور احساسِ امتیاز کی بنیاد کیا ہونی چاہیے؟ اسلام رنگ، نسل، جغرافیہ، زبان، ثقافت اور سیاسی و اقتصادی مصالح کو قومیت کی بنیاد تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔ اسلام کے خیال میں قومیت کی صرف ایک ہی بنیاد ہو سکتی ہے اور وہ دین ہے۔ اس نکتے کی وضاحت اقبال نے ان اشعار میں کی ہے ؎

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری

اس اصول کے عملی اطلاق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام دنیا میں صرف دوملتوں کے وجود کو تسلیم کرتا ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کا نظریۂ ملت حقیقت میں دوقومی نظریہ ہے۔

☆ دوقومی نظریہ کی ابتدا

دوقومی نظریہ ایک ازلی اورابدی حقیقت ہے۔اس کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود بنی نوع آدم کی تاریخ۔قرآن حکیم اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ اسلام کے تصور ملت کی بنیاد حضرت آدمؑ کے روئے زمین پر قدم رکھنے سے پہلے رکھ دی گئی تھی۔ ہبوط آدم کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے سورہ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:''اور ہم نے حکم دیا کہ تم سب اس (جنت) سے نیچے اتر جاؤ، پھر اگر تمہیں میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو تم میں سے جو میری ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ غم اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی جہنمی ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔''(البقرہ،آیات 39،40)

خدائی ہدایت کو قبول کرنے والے اور اس کا انکار کرنے والے یہی گروہ دراصل دوملتیں ہیں جنہیں قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے پکارا ہے۔

اول الذکر یعنی ہدایت یافتہ گروہ کو قرآن حکیم میں امت مسلمہ، ملت ابراہیم، اصحاب الجنۃ، حزب اللہ، اصحاب الیمین اوراصحاب المیمنہ وغیرہ کہا گیا ہے۔اس کے مقابلے میں ثانی الذکر گروہ کے لیے ملت کفر، اصحاب الشیطن، اصحاب المشئمہ، اصحاب الشمال، مشرکین، مکذبین، ضالین اور مدہنون جیسی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں۔

ملت کفر اور ملت اسلامیہ کے درمیان امتیاز وتفریق کی وجہ لا الہ الا اللہ ہے جو محض ایک کلمہ نہیں بلکہ ایک دین یعنی ایک نظام زندگی کا منشور اساسی ہے اور یہ وہی دین (نظام حیات) ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ''الدین'' قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:''ان الدین عند اللہ الاسلام'' بے شک اللہ کے نزدیک قابل اعتبار نظام زندگی صرف اور محض اسلام ہے۔

اسلام کسی ایسے اجتماعی نظام کو قبول نہیں کرتا جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ کے سوا کسی دوسرے اصول پر رکھی گئی ہو، اسی لیے اسلام، نسل، زبان، خطۂ زمینی یا مختلف قسم کے مفادات کو کسی قومیت کی بنیاد پر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے۔جس طرح ہر قومیت کی سلبی اور ایجابی دو بنیادیں ہوتی

ہیں، اسلام میں بھی قومیت کی بنیاد کے دو پہلو ہیں۔ اس کا سلبی پہلو یہ ہے کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد تمام باطل قوتوں کی بندگی سے اور اس بندگی کی بنیاد پر پیدا ہونے والی ہر مواخاۃ میں شرکت سے قولاً وفعلاً انکار کر دے۔ جب ہم باطل معبود یا الہ کہتے ہیں تو عام طور پر ہمارے ذہن میں مٹی، گارے پتھر یا لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کا تصور ابھرتا ہے اور ہم کہہ سکتے ہیں کہ کم از کم ملت اسلامیہ اس طرح کی کسی بندگی میں مبتلا نہیں ہے، لیکن حقیقت میں الٰہ کا مفہوم اس سے کہیں زیادہ وسیع اور عمیق ہے۔ سورہ فرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''(اے رسول ﷺ!) کیا آپ نے اس کی حالت دیکھی ہے جس نے اپنی خواہشوں کو الٰہ بنا رکھا ہے؟ کیا آپ اس کے ذمہ دار رہ سکتے ہیں یا آپ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہیں۔ یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گم کردہ راہ ہیں۔'' (سورہ الفرقان، آیات 44، 43)

ان آیات میں انسانوں کی بعض خواہشات کو الٰہ کا نام دیا گیا ہے۔ یہ خواہشیں کون سی ہیں؟ اس سوال کا جواب بڑا واضح ہے۔ ہر وہ خواہش جو انسان کو اللہ کی بندگی کے دائرے سے نکال دینے والی ہو باطل الٰہ کی تعریف میں آئے گی مثلاً اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا یہ مطالبہ ہے کہ مومن دوسرے انسانوں سے مواخاۃ کی بنیاد محض ''الدین'' کو بنائے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور ایمان والے ہیں، جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں، اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والوں سے دوستی رکھے گا سو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔ اے ایمان والو! جن لوگوں کو تم سے پہلے (اللہ کی) کتاب مل چکی ہے اور وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا رکھا ہے، ان کو اور کافروں کو دوست نہ بناؤ، اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو۔'' (سورہ المائدہ، آیات 57-55)

بلکہ اس حد تک بھی کہا گیا کہ ''اے ایمان والو! دوست نہ بناؤ اپنے باپوں اور بھائیوں کو اگر وہ لوگ کفر کو ایمان کے مقابلے میں زیادہ عزیز رکھنے والے ہوں اور تم میں جو کوئی انہیں دوست رکھے گا سو وہی ظالم ٹھہرے گا۔''

اسلام کے نظریۂ ملت کا سلبی پہلو

مندرجہ بالا واضح احکام کی روشنی میں اگر کوئی شخص یا گروہ، زبان، نسل، خطۂ ارض یا کسی دنیاوی منفعت کو کسی مواخاۃ، اتحاد یا قومیت کی بنیاد بنانے کی خواہش کرے تو اس کی یہ خواہش قرآنی منشا کے مطابق ''الہ باطل'' ٹھہرے گی۔ اسلام کے دوقومی نظریہ کا سلبی پہلو یہ ہے کہ ہر خواہش اور رشتے کی اس حد تک نفی کی جائے جس حد تک وہ عبودیت کے تقاضوں سے متصادم ہو۔

اسلام کے نظریۂ ملت کا ایجابی پہلو

''الدین'' میں داخل ہو جانے کے بعد ہر مومن پر یہ واجب ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ساری توانائیاں، اپنی انفرادی زندگی کی سطح سے لے کر عالمی معاشرے کی سطح تک ہر دائرے میں اللہ کے دین کو غالب کرنے میں کھپا دے اور ظاہر ہے کہ یہ کام ایک ایسی مواخات اور ملت کے بغیر نہیں ہوسکتا جس کی بنیاد لا الہ الا اللہ پر نہ رکھی گئی ہو۔

☆ نظریۂ پاکستان.....توضیح

اس بنیادی عقیدے اور تصور کے لیے جو قیام پاکستان کی بنیاد بنا ''نظریۂ پاکستان اور دو قومی نظریہ'' کی اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔ نظریۂ پاکستان کی اصطلاح اپنے مفہوم کے اعتبار سے دوقومی نظریہ کی ہم معنی ہے لیکن اپنے اطلاق کے لحاظ سے منفرد اور خاص ہے۔

دوقومی نظریے کی رو سے دنیا کا ہر مسلمان خواہ وہ کرۂ ارض کے کسی بھی خطے میں آباد ہو ایک الگ ملت اور جداگانہ قوم کا فرد ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے قائداعظم نے فرمایا تھا کہ جس دن ہندوستان میں پہلا غیر مسلم مسلمان ہوا وہ ایک نئی قوم کا فرد بن گیا۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کی آمد کے بعد جب کروڑوں لوگوں نے لا الہ الا اللہ کی شہادت دے کر ایک نئے نظامِ حیات کے قیام کا عہد کر لیا تو ان کے لیے یہ ممکن ہی نہیں رہا کہ وہ کسی دوسرے نظام کی غلامی میں زندگی بسر کر سکیں۔ یہ ایک حسین تاریخی اتفاق تھا کہ مسلمانوں کو اپنی تعداد کی قلت کے باوجود ہندوستان میں حکومت کا منصب ابتدا ہی سے حاصل رہا۔ یہ درست ہے کہ مسلمان حکمرانوں کے عہد حکومت میں حکومت کی سطح پر خالص اسلامی معاشرے کے قیام کی بہت نمایاں کوششیں نہیں کی گئیں، تاہم علمائے حق اپنے فرض سے غافل نہیں رہے۔ یہ انہی

کوششوں کا نتیجہ تھا کہ حکومت سے محرومی کے باوجود مسلمانانِ ہند اپنی تاریخ کے کسی قابل ذکر دور میں شکست خوردگی کا شکار نہیں ہوئے۔ ان میں اپنے جداگانہ قومی تشخص کا احساس ہمیشہ زندہ اور بیدار رہا۔ اس کا ایک بہت بڑا مظاہرہ گزشتہ صدی کے تیسرے عشرے میں چلائی جانے والی تحریک خلافت کی صورت میں ہوا۔

سرسید احمد خاں حکومت برطانیہ سے اپنی تمام تر خیر خواہی کے باوجود بہت پہلے اس خیال کا اظہار کر چکے تھے کہ انگریزوں کو بالآخر ایک نہ ایک دن برصغیر سے جانا ہوگا لیکن اس وقت یہ محض ایک خیال تھا۔ بیسویں صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے میں حکومت برطانیہ کے خاتمہ کی علامات نسبتاً واضح ہوگئیں اور اس کے بعد آنے والا ہر سال اس یقین میں اضافہ کرتا گیا کہ غیر ملکی حکومت اب ہندوستان میں اپنے آخری دن پورے کر رہی ہے۔ اس صورت میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ ہندوستان میں انگریزوں کی جگہ کون سنبھالے گا۔

ہندوؤں کا دعویٰ یہ تھا کہ اکثریت میں ہونے کی وجہ سے مغرب کے جمہوری اصولوں کی روشنی میں حکومت ان کا حق ہے۔ مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ وہ اقلیت نہیں بلکہ ایک جداگانہ قوم ہیں، ان کی قومیت کی بنیاد ان کا دین تھا۔ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کا مدعی ہے اور لازمی طور پر حکومت اور سیاست بھی اس ضابطۂ حیات کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔ مسلمان قوم کو رہنے کے لیے اور اسلام کو بطور زندگی نفاذ کے لیے ایک خطۂ زمین کی ضرورت تھی۔ اسی ضرورت کا اظہار قائداعظمؒ نے پنجاب مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن سے خطاب فرماتے ہوئے یوں کیا تھا:

> ''ہم ایک قوم ہیں اور ایک قوم کو رہنے کے لیے علاقہ چاہیے، محض یہ دہراتے رہنے سے آخر کیا حاصل ہے کہ ہم ایک قوم ہیں؟ قوم ہوا میں نہیں رہ سکتی وہ زمین پر رہتی ہے اور اس زمین پر اس کی حکمرانی ہونی چاہیے۔ قوم کو مخصوص علاقے میں آزاد مملکت چاہیے اور آپ یہی تو حاصل کرنا چاہتے ہیں۔'' (2 مارچ 1941ء)

بالکل اسی طرح جیسے ایک قوم کے رہنے کے لیے خطۂ زمین درکار ہوتا ہے، اس خطۂ زمین کو اپنی پہچان کے لیے ایک نام کی بھی ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہ نام جو بعض تاریخی اتفاقات نے برصغیر میں مسلمانوں کے قومی وطن کو دیا ''پاکستان'' تھا۔ اسی نام کی نسبت سے دین اسلام کے انتہائی بنیادی تصور یعنی دوقومی نظریے کو برصغیر کے پس منظر میں نظریۂ پاکستان کہا جانے لگا۔

☆ نظریۂ پاکستان کی تعریف

پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ نے 27 ستمبر 1971ء کو ملک کے ممتاز دانشوروں، ماہرین اور اساتذہ کو نظریۂ پاکستان کے موضوع پر ایک ہی ''گروہی بحث'' کی دعوت دی۔ اس بحث میں دوسری باتوں کے علاوہ شرکاء سے نظریۂ پاکستان کی تعریف متعین کرنے کی درخواست بھی کی گئی۔ جو تعریفیں سامنے آئیں، ان میں سے چند یہ ہیں:

''نظریۂ پاکستان اور اسلام ہم معنی ہیں۔ نظریۂ پاکستان تعلیمات اسلام کی عملی صورت کا نام ہے۔'' (علی عباس)

''نظریۂ پاکستان انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسلام کے مطابق ڈھالنا ہے اور ان نظریات سے بچنا ہے جو اس کے منافی ہیں۔'' (اسلم سید)

علامہ علاء الدین صدیقی نے اپنے ایک مقالے میں نظریۂ پاکستان کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: ''نظریۂ پاکستان اس چیز کا نام ہے کہ اس سرزمین کے اندر اسلام رائج ہو، افراد پر بھی اور جماعتوں پر بھی اور حکومت پر بھی اور تمام قوتوں سے قوی تر قوت یہاں اسلام ہو۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ نے نظریۂ پاکستان کا تجزیہ ان الفاظ میں کیا ہے:

''یہ نظریہ عبارت ہے اول اس عقیدے سے کہ پاکستانی دو قومی تصور کا نتیجہ ہے، دوم یہ کہ مسلمانوں کی قومیت فقط اسلام ہے یعنی، رنگ نسل اور زبان نہیں، عقیدہ اسلام ہے، لہٰذا پاکستان کی قومیت اسلام ہے، سوم چونکہ مسلمان ایک منفرد قوم ہیں اس لیے ان کی معاشرت، تہذیب اور علم الاخلاق بھی منفرد ہے اور اردو پاکستان میں اس کی ترجمان زبان ہے، چہارم اس قوم کو ہندوستان کی ہزار سالہ تاریخ نے ایک تاریخی شعور دیا ہے چنانچہ اس کے جملہ احوال کی تعبیر اس تاریخی شعور کے حوالے سے ہونی چاہیے اور اس کی ایک تاریخی تعبیر واقعہ ظہورِ پاکستان ہے۔''

میرے خیال میں نظریۂ پاکستان اس عقیدہ اور نصب العین کا نام ہے جس کی بنیاد پر قیام پاکستان کی تحریک چلائی گئی۔ یہ عقیدہ بلاشبہ اسلام تھا اور نصب العین یہ تھا کہ اسلام کے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر ہندوستان میں مسلمانوں کی ایک ایسی آزاد ریاست قائم کی جائے جس میں رہتے ہوئے وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم اسلامی اصولوں کے مطابق کر سکیں۔

☆.....☆.....☆

معراج النبی ﷺ

(نومسلم سکالر ابوبکر سراج الدینؒ کے قلم سے)

فاطمہؓ، ابوطالب کی بیوہ اپنے شوہر کی وفات یا اس سے قبل اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اسی طرح علیؓ اور جعفرؓ کی بہن اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دختر اُمِ ہانیؓ بھی اسلام میں داخل ہو چکی تھیں۔ لیکن اُمِ ہانیؓ کے شوہر ہبیرہ نے اس پیغامِ توحید کا کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اس کے باوجود جب بھی رسول اللہ ﷺ ان کے گھر تشریف لے جاتے تو ان کی پذیرائی کی جاتی اور اگر ملاقات کے دوران نماز کا وقت آ جاتا تو گھرانے کے مسلم افراد مل جل کر نماز ادا کیا کرتے تھے۔ ایک ایسا موقع آیا کہ ان سب نے مل جل کر رسول اللہ ﷺ کی امامت میں نمازِ عشاء ادا کی تو امِ ہانیؓ نے درخواست کی کہ بقیہ شب وہ ان کے ہاں ٹھہر جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی دعوت قبول کر لی لیکن مختصر سے آرام کے بعد اٹھ کر مسجد الحرام چلے گئے۔ آپؐ کو کعبہ میں شب گزارنا بہت مرغوب تھا۔ اسی قیام میں نیند کا غلبہ ہوا اور آپؐ حجر کے فرش پر لیٹ کر سو گئے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میں حجر میں محوِ خواب تھا تو جبرئیل آئے اور مجھے پاؤں کی ٹھوکر سے ہوشیار کیا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا لیکن وہاں کچھ بھی نہ پایا اور ایک بار پھر لیٹ گیا۔ دوسری دفعہ جبرئیل آئے، پھر تیسری دفعہ آئے اور مجھے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ میں اٹھ کر ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ مجھے مسجد سے باہر لے آئے۔ یہاں ایک جانور سفید رنگ کا تھا جس کا روپ ایک خچر اور گدھے کے بین بین تھا۔ اس کے دونوں جانب پرواز کے لیے پر تھے، جن کی مدد سے وہ اپنے پیروں کو حرکت دیتا تھا۔ اس کا ہر قدم اتنا دراز ہوتا تھا کہ جہاں تک نظر پہنچ سکتی تھی۔

پھر رسول اللہ ﷺ نے بتایا کہ کیسے وہ براق پر سوار ہوئے اور وہ عظیم فرشتہ ان کے پہلو میں اس آسمانی سواری کے ساتھ قدم ملا رہا تھا۔ دونوں بڑی تیز رفتاری کے ساتھ یثرب اور خیبر کے اوپر سے اڑتے رہے حتیٰ کہ یروشلم پہنچ گئے۔ وہاں انہیں انبیاء کی جمعیت ملی، ابرہیم علیہ السلام تھے، موسیٰ، عیسیٰ اور دوسرے انبیاء علیہم السلام۔ جب وہ بیت المقدس میں نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تو تمام انبیاء ان کی امامت میں صف باندھ کر نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ پھر ان کے سامنے دو برتن لائے گئے اور انہیں پیش کیے گئے۔ ایک برتن میں انگور کی شراب اور دوسرے میں دودھ تھا۔ انہوں نے

دودھ کا برتن لے لیا، دودھ نوش فرمایا اور شراب کے پیالے کو رَد کر دیا۔ جبرئیل بولے: ''اے محمدؐ! آپ کو راہِ فطرت کی ہدایت عطا ہوئی اور یہی ہدایت آپ نے اپنی قوم کو دی اور اے محمدؐ شراب آپ پر حرام کی گئی۔''

اور پھر محمد ﷺ کو اس دنیوی زندگی سے نکال کر آسمانوں کی جانب لے جایا گیا۔ بیت المقدس کے مرکز میں جو چٹان ہے وہاں سے آپ ایک بار پھر براق پر سوار ہوئے۔ براق نے بلندی کی جانب پرواز کرنے کے لیے اپنے پروں کو پھڑ پھڑایا اور اپنے سوار کے لیے ایسا ہو گیا جیسے الیاس علیہ السلام کے لیے آگ کی رتھ ہو گئی تھی۔ عظیم فرشتے کی رہنمائی میں جس نے اپنی ہیت بدل کر آسمانی مخلوق کا روپ اختیار کر لیا تھا، وہ بلند ہوتے رہے حتیٰ کہ دنیائے آب و گل، جسم اور مادہ کی صورتوں سے ماورا، وقت کے شمار سے پرے خلا میں پہنچ گئے۔ جیسے جیسے وہ سات آسمانوں سے گزرے تو ایک بار پھر ان انبیاء سے ملاقات ہوئی جن کی معیت میں یروشلم میں نماز ادا کر چکے تھے۔ لیکن جب ان کی ملاقات یروشلم میں ہوئی تھی تو وہ اسی جسم کے روپ میں تھے کہ جیسے وہ اپنی زندگی میں تھے جبکہ اب جو وہ آسمانوں کی فضا میں ملے تو وہ روحانی حقیقتوں کے روپ میں تھے۔ انہوں نے بھی رسول اللہ ﷺ کو روحانی روپ میں ہی دیکھا اور رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس تبدیلیٔ ہیت پر بہت حیرانی ہوئی۔ یوسفؑ کے بارے میں فرمایا کہ ان کے چہرہ پر جو آب و تاب انہوں نے دیکھی وہ ایسی تھی جیسے چودھویں شب کے چاند پر ہوتی ہے[۲] اور یہ کہ اللہ نے ان کو تمام تر موجودہ حسن کا کم از کم آدھا حصہ تو ضرور تفویض فرما دیا تھا۔[۳] اس مشاہدہ کے بعد جب آپؐ نے یوسفؑ کے بھائیوں کو دیکھا تو پسندیدگی کا عالم کچھ کم نہ تھا۔ انہوں نے ہارونؑ کے حسن و جمال کا ذکر خاص طور پر کیا۔[۴] اور ان باغات کا ذکر کرتے ہوئے آپؐ نے بعد میں فرمایا کہ مختلف آسمانوں میں جہاں جہاں ان کو سیر کرائی گئی ''کمان کے برابر جنت کا ایک ٹکڑا زمین کی تمام وسعتوں سے بدرجہا بہتر ہے جس پر کہ یہ آفتاب طلوع و غروب ہوتا ہے اور فردوسِ بریں کی ایک عورت اہلِ زمین کے سامنے آ جائے تو وہ آسمان و زمین کے مابین نور اور خوشبو سے روشن اور معطر کر دے۔''[۵] جس شے کا بھی آپؐ نے مشاہدہ کیا اس کو آپ نے روحانی فطرت کی آنکھ سے دیکھا۔ آپؐ کے سفرِ آسمانی کا نقطۂ عروج سدرۃ المنتہیٰ' عالمِ مادی کی انتہا پر شجرِ سِدرہ (بیری کا درخت) تھا۔ قرآن میں بھی اسکا یہی نام ہے۔ اور ایک بہت پرانی تفسیر میں جس کی سند حدیثِ رسول ﷺ ہے، یہ کہا گیا ہے کہ ''سدرۃ کے شجر کی جڑیں عرش میں ہیں اور یہ ہر عالم

کے علم کی آخری حد ہے۔ خواہ وہ ملک الملکوت ہو، یا رسول، اس حد سے پرے ہر شے صیغۂ راز میں ہے، جس کا علم ذاتِ باری تعالیٰ کے سوا کسی کو بھی نہیں۔'' ۶ اس انتہا پر جبرئیل اپنی پوری شان و شوکت سے آشکار ہوئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلق کیا تھا' تب یہ وحی ''اس وقت سدرۃ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا (اور اس وقت بھی) ان کی آنکھ نہ تو خیرہ ہوئی اور نہ حد سے آگے بڑھی۔'' ۷ تفسیر کے مطابق نورِ الٰہی شجرِ سدرۃ پر طاری ہوا اور اس پر چھا گیا اور اس کے علاوہ جو کچھ بھی تھا اس پر بھی اور رسول اللہ ﷺ کی آنکھ نے بے جھپک اور بے انحراف اس کو دیکھا۔ ۸ یہ تھا جواب اس التجا کا جو آپ کی دعاؤں میں مضمر تھی ''میں تیری تجلیٔ ذات میں پناہ لیتا ہوں۔'' ۹

سدرۃ المنتہیٰ پر رسول اللہ ﷺ کو اپنی امت کے لیے روزانہ پچاس نمازوں کا حکم ملا اور تب ہی آپ پر وہ وحی نازل ہوئی جو اسلام کے بنیادی عقائد پر مشتمل ہے ''رسول اس ہدایت پر ایمان لایا ہے جو کچھ ان پر ان کے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ مومنین بھی سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں ہم اللہ کے پیغمبروں میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے اور کہنے لگے: اے ہمارے پروردگار ہم نے تیرا ارشاد سنا اور مان لیا۔ اے پروردگار ہمیں تیری مغفرت کی ہی خواہش ہے اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' ۱۰

پھر آپؐ نے سات آسمانوں کی بلندی سے زمین کی جانب اترنا شروع کر دیا کہ جس طرح پہلے بلندیوں کی جانب سفر کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واپس ہوتے ہوئے میری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی اور وہ تمہارے کس قدر اچھے دوست ثابت ہوئے تھے۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: ''آپ پر کتنی نمازیں فرض کی گئی ہیں؟'' میں نے بتایا ہر روز پچاس نمازیں فرض کی گئیں ہیں تو موسیٰ علیہ السلام بولے: ''نماز با جماعت ایک بارِ گراں ہے اور آپ کی امت ناتواں ہے اپنے پروردگار کے حضور واپس جا کر عرض کریں کہ اس بوجھ کو آپ اور آپکی امت کے لیے ہلکا کر دیا جائے۔'' پس میں واپس ہوا اور اپنے مالک کے حضور اس بارِ گراں میں تخفیف کی عرض کی۔ پروردگار نے دس کم کر دیں۔ واپس ہوتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام پھر ملے اور انہوں نے وہی بات جو پہلے کہی تھی پھر دہرا دی اور میں ایک مرتبہ پھر واپس ہوا اور دس نمازیں اور کم کر دی گئیں لیکن ہر دفعہ جب میں موسیٰ علیہ السلام کی طرف آیا وہ مجھے واپس کرتے رہے حتیٰ کہ میرے اوپر شب و روز میں پانچ

نمازیں فرض رہ گئیں لیکن واپسی میں موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی بات کہی تو میں نے کہا: ''میں اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاتا رہا اور عرض کرتا رہا یہاں تک کہ اب مجھے شرم آتی ہے، اب میں واپس نہیں جاؤں گا، اور اب ایسا ہے کہ جو کوئی بھی اللہ کے رحم و کرم کا طالب ہو کر خلوصِ نیت سے پانچ نمازیں ادا کرے گا تو اللہ اس کو پچاس نمازوں کا ثواب عطا کرے گا۔'' [11]

جب رسول اللہ ﷺ اور سردارِ ملائک یروشلم میں صخرہ کے مقام پر اترے تو دونوں مکہ معظّمہ اسی راستہ سے واپس ہوئے جس سے وہ گئے تھے۔ انہیں گزرتے ہوئے بہت سے کاروان ملتے گئے۔ کعبہ میں پہنچے تو ہنوز وقتِ شب تھا۔ وہاں سے رسول اللہ ﷺ اپنی چچازاد بہن اُمِ ہانیؓ کے گھر پہنچے۔ اُمِ ہانیؓ کا کہنا ہے کہ ''فجر سے تھوڑی دیر قبل رسول اللہ ﷺ بیدار ہوئے اور جب ہم نے نمازِ فجر ادا کر لی تو انہوں نے فرمایا: ''اے اُمِ ہانیؓ میں نے تمہارے ساتھ نمازِ عشا اس وادی میں ادا کی تھی جیسا کہ تم نے بھی دیکھا۔ اس کے بعد یروشلم گیا تھا اور وہاں نماز پڑھی اور اب صبح کی نماز جیسا کہ تم دیکھ رہی ہو تمہارے ساتھ پڑھی ہے۔'' وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں نے ان کی عبا اس زور سے گرفت میں لی کہ وہ میرے ہاتھ میں آ گئی اور آپ کا پیٹ کھل گیا۔ عبا کیا تھی سوت کی چادر سی تھی جس کو آپ نے اپنے اوپر لپیٹا ہوا تھا۔ میں نے کہا: ''اے اللہ کے رسولؐ! لوگوں کو یہ بات نہ بتایئے کیوں کہ وہ آپ کو جھوٹا کہیں گے اور آپ کی شان میں بری باتیں منہ سے نکالیں گے۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''واللہ میں ان کو بتاؤں گا۔'' [12]

آپ مسجد الحرام میں پہنچے اور جو کوئی بھی ملا اس کو اپنے سفرِ یروشلم کے متعلق بتایا۔ ان کے دشمن فوراً ہی بغلیں بجانے لگے کیوں کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑانے کا ایک اور موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ قریش کے بچہ بچہ کو علم تھا کہ مکہ سے شام جانے کے لیے ایک کاروان کو پورا ایک مہینہ لگتا ہے اور واپس ہونے کے لیے بھی ایک ماہ درکار ہوتا ہے جبکہ محمدؐ دعویٰ کرتے ہیں کہ ایک ہی رات میں گئے اور واپس بھی آ گئے۔ لوگوں کا ایک گروہ ابوبکرؓ کے پاس گیا اور کہا: ''اب تمہارا اپنے دوست کے بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ گزشتہ شب وہ یروشلم گئے، وہاں عبادت کی اور پھر مکہ واپس بھی آ گئے۔'' ابوبکرؓ نے ان پر دروغ گوئی کا الزام لگایا لیکن ان

لوگوں نے ابوبکرؓ کو یقین دلایا کہ اس وقت محمدؐ کعبہ میں ہیں اور اپنے سفر کے متعلق لوگوں کو بتا رہے ہیں۔ ابوبکرؓ نے فرمایا ''اگر وہ ایسا کہہ رہے ہیں تو سچ ہی کہہ رہے ہیں۔'' اور اس میں تعجب کی کیا بات ہے وہ مجھے بتاتے ہیں کہ ان کے پاس آسمانوں سے زمین کی طرف دن یا رات کی کسی ساعت میں خبریں آتی ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ سچ فرماتے ہیں اور جس بات میں تم مین میخ نکالتے ہو ان کی باتیں اس سے ماورا ہیں۔'' ۱۳؎ اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ مسجد الحرام گئے تا کہ وہاں جا کر اپنی توثیق کو سب کے روبرو دہرائیں ''اگر وہ ایسا فرماتے ہیں تو سچ ہی فرماتے ہیں۔'' اور یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں ''صدیق'' کا لقب عطا فرمایا تھا جس کے معنی ہیں ''صداقت کا عظیم گواہ'' یا ''سچائی کا عظیم توثیق کنندہ۔'' مزید برآں ان میں سے بعض لوگ جنہوں نے رودادِ نبی کو قابلِ یقین نہیں گردانا تھا اب اپنی فکر پر نظرِ ثانی شروع کر دی کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کاروانوں کی تفصیل بتائی تھی جن پر سے گزر کر آپ واپس تشریف لائے تھے۔ یہ کاروان مکہ کی جانب محوِ سفر تھے اور انہوں نے بتایا کہ ان کاروانوں کو کس منزل پر پایا تھا اور یہ کہ ان کی آمد مکہ میں کب متوقع ہے۔ یہ کاروان رسول اللہ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق ہی مکہ پہنچے اور ان کاروانوں کی تفصیل بھی آپ کے بیان کے عین مطابق تھی۔ جو لوگ مسجد الحرام میں تھے ان کے سامنے آپؐ نے صرف یروشلم کے سفر کا ہی بیان فرمایا لیکن جب وہ ابوبکرؓ اور دیگر اصحاب کی معیت میں تنہا تھے تو ان سے سات آسمانوں سے گزر کر معراج اور جو کچھ آپؐ نے دیکھا اس کا ایک حصہ بھی بیان فرمایا۔ باقی حصہ بعد میں سوالات کے جواب میں فرماتے رہے جو لوگ آپ سے مختلف مواقع پر پوچھتے رہتے تھے۔

حوالے، حواشی اور تشریحات: (۱) ابنِ اسحٰق: ۲۶۴۔ (۲) ابنِ اسحٰق: ۲۷۰۔ (۳) احمد ابنِ حنبل: ۳، ۲۸۶۔ (۴) ابنِ اسحٰق: ۲۷۰۔ (۵) بخاری: ۵۶، ۶۔ (۶) تفسیر طبری: ۵۳، (۷) قرآن ۵۲: ۱۶۔۱۸، (۸) تفسیر طبری: ۵۳۔ (۹) مسلم ۱: ۲۸۰۔ (۱۰) قرآن ۱۱: ۲۸۵۔ (۱۱) ابنِ اسحٰق: ۲۷۱۔ (۱۲) ۱۳۔ ابنِ اسحٰق: ۲۶۷۔ (۱۳) ابنِ اسحٰق: ۲۶۵

☆.....☆.....☆

خواجہ محمد اسلم

تبدیلیٔ نظام کا فقط ایک ہی راستہ

خالقِ کائنات کا اِرشاد ہے:

﴿وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (یونس : 100)

جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اللہ تعالیٰ انہیں بدترین گندگی میں مبتلا کر دیتا ہے۔

قُرآنِ حکیم کی رُو سے جب آدمی زمینی حقائق کا غور سے جائزہ نہیں لیتا یا اُن سے کسی مصلحت کی بنا پر نظریں چُرا لیتا ہے تو اُس کے حواس اور دل و دماغ میں ہم آہنگی برقرار نہیں رہتی اور عقل ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ اس صورتِ حال میں آدمی کا فیصلہ درست نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق ایسا آدمی نجس یعنی بدترین گندگی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب ایسی غلطی لیڈر حضرات کرتے ہیں اور قوم احتجاج نہیں کرتی تو پوری کی پوری قوم نجس میں مُبتلا ہو جاتی ہے۔ اس کی زندہ مثال پاکستانی قوم ہے۔

کیا یہ سچ نہیں ہے کہ ہمارے ملک کو چاروں جانب سے دشمنوں نے گھیر رکھا ہے۔ ایک طرف یہودیوں نے اسے دشمن نمبر ایک نامزد کر رکھا ہے تو دوسری طرف نصرانیوں نے اعلان کیا ہوا ہے کہ آئندہ پچاس (50) سال تک دنیا کے نقشے میں پاکستان نام کا کوئی ملک نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں، ہمارا ازلی دشمن بھارت ہے جس نے پاکستان کے وجود کو کبھی تسلیم نہیں کیا اور ہمارے وجود کو مٹانے کے فکر میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا۔ داخلی طور پر ہمارے ہاں گلی گلی میر جعفروں اور میر قاسموں کے ڈیرے ہیں اور ہمارے لیڈرانِ کرام ان تمام خطرات سے غافل یا بے نیاز ہو کر صرف دولت کی ہوس میں بدحواس ہو کر ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہیں۔ دوسرے لفظوں میں، لیڈروں کی خودغرضی و ہوسِ زر پرستی اور ہمارے عوام کی غفلت و بے حسی نے ملک کو ایک ایسے مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ قوم تباہی کے گڑھے میں گرنے کے لیے ایک دھکے کی منتظر ہے۔

کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں ؟

اصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی جمالیاتی، تخلیقی فعلیت کا شاہکار ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے اس شاہکار سے شدید محبت کرتا ہے۔ اُس نے انسان کو فکر و عمل اور اِرادہ و اختیار کی آزادی دے

کر اس دنیا میں بھیجا ہے تا کہ وہ اس دوران اپنے اعمال سے فیصلہ کر لے کہ اُس نے دارالآخرت میں موت سے مُبرّا اپنی اصل زندگی مسرت و شادمانی سے معمور جنّتِ قُرَّۃُ العین میں کرنی ہے یا آتشکدہ ءِ جہنم میں۔ انسان سے شدید محبت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی چاہت یہ ہے کہ انسان اِمتحانگاہِ دنیا میں حسین اعمال کر کے اپنے آپ کو جنّت کے لیے پیراستہ (Qualify) کرے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے لازم تھا کہ انسان دنیا میں زندگی کرنے کے لیے ضروری اشیاء، مثلاً روٹی، کپڑا، مکان، پانی، بجلی، گیس وغیرہ وغیرہ کے حصول کے چکر میں ہی نہ پڑا رہے، بلکہ اس کشمکش سے بے نیاز ہو کر قُرآنِ حکیم کے احکام و قوانین اور ہدایات و تعلیمات پر عمل کر کے اپنے آپ کو جنّتِ قُرَّۃُ العین کے لیے پیراستہ کرے۔ رب العٰلمین نے اس مقصد کے حصول کے لیے اُسے دنیا میں زندگی کرنے کا احسن نظام عطا کیا جس پر عمل کرنے سے قومی سرمایہ گردش کرتا ہوا گراس روٹ تک پہنچ جاتا ہے، جس کے نتیجے میں ہر فردِ معاشرہ کو بنیادی ضروریات کی اشیاء بغیر زیادہ تگ و دو کے حاصل ہوتی رہتی ہیں۔

سرمایے کی حقیقت یہ ہے کہ ایک قوم کے تمام افراد کی محنت و مشقت کا حاصل مجموعی طور پر اُس ملک کا سرمایہ ہوتا ہے۔ معاشرہ ایک جسم ہے تو سرمایے کی حیثیت خون ایسی ہے۔ جس طرح ایک جسم کی صحت و تندرستی، نشو و نما اور ارتقاء کے لیے خون کا جسم کے نازک ترین حصّے میں پہنچنا ناگُزیر ہے، اسی طرح ایک معاشرے کی صحت و تندرستی، نشو و نُما اور بقاء و اِرتقاء کے لیے سرمایے کا گراس روٹ تک پہنچنا ضروری ہے۔ دوسرے لفظوں میں قومی دولت کی گردش سے معاشرے کے ہر فرد کا مُستفید ہونا لازمی امر ہے۔ یہ اسلامی معیشت کا مرکزی نقطہ ہے۔

پورے کے پورے نظامِ اسلام کو بیان کرنے کے لیے تو وقت درکار ہے۔ اس سے مکمل آگاہی کے لیے لٹریچر اور کتابیں آپ رابطہ کر کے تحریکِ رحمت کے دفتر سے مفت حاصل کر سکتے ہیں، یہاں یہ بتانے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ قُرآنِ حکیم کے وہ کون سے اصول ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر تمام افرادِ معاشرہ ملکی دولت سے مستفید ہو سکتے ہیں، یہاں تک کہ ملک میں بکری کا بچہ تک بھوکا نہیں رہتا۔ دنیا اس صداقت و واقعیت کا مشاہدہ کر چکی ہے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے۔

نظامِ اسلام کے وہ بنیادی اصول مندرجہ ذیل ہیں:

1: امیر و غریب کے لیے یکساں عدل و احسان کا نظام قائم کرنا۔

2: مال و دولت جمع کر کے رکھنا نہ اسراف کرنا۔

3: سود کو حرامِ مطلق سمجھنا اور بغیر سُود سرمایہ کاری کرنا۔
4: ہر صحت مند فردِ معاشرہ کا محنت و مشقت کر کے روزی کمانا۔
5: ہر شخص کا اپنی محنت کے حاصل کا بلا شرکتِ غیرے مالک ہونا۔
6: اشیائے صرف (Utility items) کو قیمتِ خرید (Cost price) پر لوگوں کو مہیا کرنا۔ اُن پر ٹیکس لگانا، اُن کا ذخیرہ کرنا اور نہ قیمتیں بڑھانا۔ (تاکہ لوگوں کو بنیادی ضروریات کی اشیاء سستے داموں ملتی رہیں)

ان اصولوں پر عمل پیرا ہونے سے معاشرے سے ظُلم و استحصال کا مکمل خاتمہ ہوجاتا ہے اور سرمایے کی گردش میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی۔ ہر فردِ معاشرہ کی بنیادی ضروریات بہ احسن پوری ہوتی ہیں اور ملک سے غربت کا معنوی لحاظ سے مکمل خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اندرونی و بیرونی قرضہ جات اور اُن کی وجہ سے ذلت وخواری اور غلامی سے مکمل نجات حاصل ہوجاتی ہے۔ ان حالات کا منطقی نتیجہ امن وسلامتی ہے۔ نگاہ میں رہے کہ لفظ اِسلام کے لُغوی معنی ہی امن وسلامتی کے ہیں۔

رائج الوقت سرمایہ داری نظام (Captalism) پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کسی ذہین مخلوق نے عقلِ عیار سے کام لیتے ہوئے اسلامی اصولوں کی ضد (Contrariety) پر اس نظام کی عمارت تعمیر کی ہے اور مُسلم اُمّہ کی غفلت اور بے حِسی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے اس طاغوتی نظام کو تمام دنیا میں رائج کرنے میں کامیاب ہوچکے ہیں۔ اسلامی نظام کی ضِد پر بنائے گئے اصول مندرجہ ذیل ہیں:

1: عدل واحسان قائم کرنا مگر ''خود اپنے لیے اور زمانے کے لیے اور''
2: ہر جائز و ناجائز طریقے سے مال و دولت حاصل کرنا اور جمع کر لینا۔
3: خود محنت و مشقت نہ کرنا اور اس پر اِترانا۔
4: محنت و مشقت کرنے والوں کو ''کمّی'' یا ''کمینہ'' سے منسوب کرنا اور اُس کی محنت کا حاصل خود وصول کر لینا۔
5: ظلم و اِستحصال اور سودی سرمایہ کاری سے دوسروں کا حاصلِ محنت حاصل کرنا۔
6: زندگی کرنے کے لیے عوام کی بنیادی ضروریات کی اشیاء یعنی اشیائے صرف (Utility items) کی سپلائی اور قیمتوں میں رکاوٹیں کھڑی کرنا؛ اُن پر ٹیکس لگا کر یا ذخیرہ اندوزی

کر کے اُن کی قیمتیں آسمان پر لے جانا تا کہ غریب عوام سے اُن کی پائی پائی چھین لی جائے۔

ان شیطانی اصولوں پر عمل کرنے کا منطقی نتیجہ اِرتکازِ مال و دولت ہے۔علم الاقتصادیات کی رُو سے اِرتکازِ مال و دولت یعنی دولت کو جمع کر کے اُس کی گردش میں رکاوٹ ڈالنا معاشرے میں کینسر کا باعث ہے۔ اس بیماری کی موجودگی میں کوئی انسان قُرآنِ حکیم کے احکام وقوانین اور ہدایات وتعلیمات پر عمل نہیں کرسکتا اور انسانیت کے اُس شرف کو حاصل نہیں کرسکتا جو ربِّ رحمٰن کا مقصودِ حقیقی ہے۔ امریکہ کے مشہور رسالہ ٹائمز کے مطابق آج دنیا بھر کے تقریباً سات ارب انسانوں کے حاصلِ محنت کا نوّے فیصد (90%) موجودہ سرمایہ داری نظام متعارف کروانے والوں یعنی یہودیوں کے قبضے میں جا چکا ہے اور یہ عمل دن رات جاری ہے۔ دوسری طرف دنیا کے تمام لوگ دلکشیِ حیات سے محروم ہوکر بھوک وننگ سے بلبلاتے ہوئے جانوروں کی طرح زندہ ہیں اور اس کے نتیجے میں خودکشیاں کرنے پر مجبور ہیں۔فیض صاحب نے اس صورتِ حال کی تصویر کشی اس طرح کی ہے ؏

اک گردنِ مخلوق کہ ہر حال میں خم ہے
اک بازوئے قاتل ہے کہ خوں ریز بہت ہے

اس گفتگو سے استنباط ہوا کہ انسانیت کا سب سے بڑا دشمن رائج الوقت نظامِ سرمایہ داری ہے، لہٰذا اگر ذلت وخواری سے جُھکی ہوئی گردن کو اٹھانا منظور ہے، اگر زندگی منظور ہے، اگر دلکشیِ حیات منظور ہے، اگر ظلم و اِستحصال کے اندھیروں سے نکل کر عزت وآبرو کی روشنی میں آنا منظور ہے، اگر دنیا میں سر اٹھا کے چلنا منظور ہے، تو سب سے پہلے رائج الوقت طاغوتی نظام کا قلع قمع کرنا پڑے گا۔ اس سے یہ حقیقت بھی آشکار ہوتی ہے کہ کیوں ربُّ العٰلمین نے ہر مسلمان کو حکم دیا ہے کہ وہ طاغوتی نظام کا قلع قمع کر کے اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے جہاد کرے۔ ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَجَاهِدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ﴾ (الحج 78:22)

(مسلمانو!) اللہ کی راہ میں ایسی جِدّ وجُہد کرو کہ حق ادا ہوجائے، یعنی اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے تن من دھن کے ساتھ مساعیِ جمیلہ کرو۔ اس کام کے لیے اُس

نے تمہیں چُن لیا ہے۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کا دین تمہارے لیے بارِ گراں نہیں ہے۔ یہ تمہارے باپ ابراہیم کا دین (یعنی نظامِ زندگی) ہے۔

یہ آیتِ کریم ہمیں بتا رہی ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی فوج ہے۔ اس کا سالارِ اعلیٰ حکم دے رہا ہے کہ اسلامک سسٹم کے نفاذ کے لیے تن من دھن کے ساتھ جِدّ و جُہد کرو۔ نکلو گھروں سے خواہ ہلکے ہوں یا بھاری (التوبہ 41:9)۔ اس حسین جِدّ و جُہد میں اگر دشمنانِ اسلام حائل ہوں اور جنگ پر آمادہ ہوں تو تُم بھی اُن کے ساتھ جنگ کرو (التوبہ 111:9)، اس یقینِ محکم کے ساتھ کہ ہم کمزور ہیں تو کیا ہوا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ جنگ کی صورت میں بلا تاخیر پانچ ہزار چیدہ چیدہ فرشتے مدد کو بھیجے گا (آلِ عمران 125:3)۔ دوسرے لفظوں میں، اللہ تعالیٰ کی نُصرت اور نویدِ کامیابی کے ساتھ جہاد کرنا ہے، شرط یہ ہے کہ اس کام کے لیے ہم گھروں سے نکلیں۔

جہاد کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے پیغمبرِ اعظم و آخر ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص مَر گیا اس حالت میں کہ نہ اُس نے جہاد کیا اور نہ ہی اُس کے دل میں جہاد کرنے کی آرزو پیدا ہوئی، وہ منافق مَر گیا۔'' (المشکوٰۃ)

لہٰذا اے میری قوم کے لوگو آؤ کہ ہم یقینِ محکم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نصرت و مدد اور نویدِ کامرانی و کامیابی کو پکارتے ہوئے کاروانِ رحمت بنا کر گھروں سے نکلیں اور جس طرح ہمارے بزرگوں نے پاکستان کے حصول کے لیے جِدّ و جُہد کی تھی اُسی طرح ہم نفاذِ اسلام کے لیے جِدّ و جُہد کریں، اس سے پہلے کہ ربِّ کائنات اپنی سُنّت کے مطابق ہماری جگہ دوسری قوم لے آئے جو یہ کام کرے۔

مسلمانو! گزرے ہوئے زمانے پر نظر ڈالو۔ تاریخی عمل شاہد ہے کہ کامیابی نے ہمیشہ اُس قوم کے قدم چومے ہیں جو کسی نہ کسی عقیدے کی حامِل رہی ہے۔ یاد رکھو! قُرآنی عقیدے سے کامِل، اعلیٰ اور سچّا دنیا میں کوئی دوسرا عقیدہ ہے نہ ہوسکتا ہی ہے ؎

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی
دوڑو کہ زمانہ چال قیامت کی چل گیا

☆.....☆.....☆

.....ماہِ رمضان.....

یتیم و مسکین کی مدد کرنے کی ترغیب نہ دینے کا انجام؟

ماہِ رمضان ایک ماہ بعد شروع ہونے والا ہے اوراس ماہِ مبارک میں صدقہ و خیرات اور دیگر نیک اعمال کا اجر 70 گنا بڑھ جاتا ہے۔اس تحریر کا مقصد آپ کو یتیم و مسکین اور فلاحی کاموں کے لیے مدد کرنے کے حوالے سے درجِ ذیل قرآنی آیات میں بیان کیے گئے احکام کی طرف متوجہ کرنا ہے:

☆ ''جو جنتوں میں ہوں گے، وہ مجرموں سے پوچھیں گے: تمھیں کیا چیز دوزخ میں لے گئی؟ وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہ تھے اور مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔'' (سورہ المدثر: 40 تا 44) ☆ ''(حکم ہوگا) پکڑو اسے اور اس کی گردن میں طوق ڈال دو، پھر اسے جہنم میں جھونک دو، پھر اس کو 70 ہاتھ لمبی زنجیر میں جکڑ دو۔ یہ نہ اللہ بزرگ و برتر پر ایمان لاتا تھا اور نہ مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیتا تھا۔'' (سورہ الحاقہ: 30 تا 34) ☆ ''ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم سے عزت کا سلوک نہیں کرتے تھے اور مسکین کو کھانا کھلانے پر ایک دوسرے کو نہیں اکساتے تھے۔'' (سورہ الفجر: 17,18) ☆ ''تم نے دیکھا اس شخص کو جو آخرت کی جزا و سزا کو جھٹلاتا ہے، یہ وہی تو ہے جو یتیم کو دھکے دیتا ہے اور مسکین کو کھانا دینے پر نہیں اکساتا۔'' (سورہ الماعون: 1 تا 3) نوٹ: اس شمارے میں شامل سورہ البلد والا مضمون بھی ضرور پڑھیں۔ ادارہ بیدار

☆ معروف سکالر یوسف القرضاوی کی رائے

اِس دور کے فقہ کے معروف سکالر یوسف القرضاوی، شیخ محمد عبدہ، کے حوالے سے اپنی کتاب ''فقہ الزکوٰۃ'' میں لکھتے ہیں کہ'' دوسروں کو طعامِ مسکین کی ترغیب دینا حکم ہے ..... غرض جو شخص یومِ حساب پر یقین رکھتا ہے، وہ فقیروں کی ضرور مدد کرے، خواہ دوسرے لوگوں سے امداد طلب کر کے کرے۔''

☆ تعلیم پر خرچ کرنے کی اہمیت

مذکورہ بالا سطور میں تو کھانا کھلانے کی ترغیب کی اہمیت و فرضیت کا ذکر ہے، تعلیم کے لیے

خرچ کرنے کی کیا اہمیت ہے، اس کا اندازہ آپ حضرت عیسیٰؑ کے ذیل کے فرمان سے لگا سکتے ہیں: ''جس طرح ہر آدمی اپنا مال خدا کی خدمت میں صرف کرنے کا پابند ہے، اسی طرح تعلیم صرف کرنے کا بھی پابند ہے بلکہ اور بھی زیادہ پابند ہے کیونکہ کلام میں کسی روح کو توبہ پر ابھارنے کی طاقت ہے جبکہ مال مردے میں جان واپس نہیں لا سکتا۔ پس وہ قاتل ہے جو کسی غریب کی مدد پر قدرت رکھتا ہو اور جب وہ مدد نہ کرے تو غریب بھوکوں مر جائے، پر سنگین تر قاتل وہ ہے جو خدا کے کلام سے ایک گناہ گار کو توبہ کی طرف پلٹا سکتا ہے اور نہ پلٹائے بلکہ گونگے کتے کی طرح کھڑا رہے۔'' (انجیل برناباس) توبہ کی طرف کسی گناہ گار کو پلٹانے کا علم ''تعلیم'' سے ہی ملے گا۔ اسلام (دینِ محمدیؐ) میں تو پہلی وحی ہی ''اقرأ'' کے حکم سے شروع ہوئی۔

''شانِ اسلام گرلز ہائی سکول شفیق آباد'' لاہور کے پسماندہ اور غریب ترین علاقے میں قائم ہے اور اس میں تقریباً 700 غریب طلبہ وطالبات کو مفت معیاری تعلیم دی جارہی ہے۔ سائنس لیب، کمپیوٹر لیب، واٹر فلٹر پلانٹ، جنریٹرز، UPS، لائبریری، انٹرنیٹ وغیرہ کی تمام اعلیٰ درجے کی سہولتیں حاصل ہیں۔ دو اہل خیر کے تعاون سے یتیم وغریب بچوں کو فی کس ہزار روپیہ ماہانہ وظیفہ دیا جارہا ہے۔

محترم! فرمانِ رسولِ مقبولؐ کے مطابق ''ماہِ رمضان معاشرے کے غریب اور حاجت مندوں کے ساتھ مالی ہمدردی کا مہینہ ہے۔'' (مشکوٰۃ) سورہ البقرۃ آیت 261 کے مطابق صدقہ وخیرات کے ایک روپے کا اجر 700 گنا ہے، رمضان میں 70 گنا بڑھ جاتا ہے۔ حساب کرلیں کہ رمضان میں ایک روپے کا کتنا اجر ملتا ہے۔ یقیناً آنے والے رمضان میں آپ اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔ ہماری گزارش اتنی ہے کہ شانِ اسلام گرلز ہائی سکول شفیق آباد بند روڈ کے یتیم اور غریب طلبہ وطالبات کو بھی اپنے صدقہ وزکوٰۃ کی فہرست میں شامل کرلیں، شکریہ۔

سکول کے لیے اپنے چیک / ڈرافٹ ''شانِ اسلام گرلز ہائی سکول'' کے نام کاٹیں، شکریہ۔ چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر بھیجنے کے لیے پتہ:

ملک احمد سرور، شانِ اسلام گرلز ہائی سکول شفیق آباد نمبر-2 بند روڈ لاہور۔

فون: 8004446 0321 (پتے پر فون نمبر ضرور لکھیں)

طالب الہاشمیؒ

اسلام میں عورتوں کے حقوق

ہر مسلمان کا اس بات پر پختہ اور کامل ایمان ہے کہ خَاتَمَ الانبیاء وَالْمُرْسَلِیْن ﷺ کو اللہ جل شانہ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾

''(اے نبی!) ہم نے آپ کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔''

حضور ﷺ کی حیات طیبہ پر ایک نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ مخلوق خدا کی ہر جنس کے لیے سراپا رحمت ہی رحمت اور خیر ہی خیر تھے۔ آپ کا ابر رحمت دوستوں' دشمنوں' بوڑھوں جوانوں' بچوں' بے زبان جانوروں' غریبوں' یتیموں' اپاہجوں' زیردستوں' مردوں اور عورتوں پر ہر وقت جھوم جھوم کر برستا رہتا تھا۔ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت اس عالم رنگ و بو میں ایک ایسی مخلوق بھی تھی جسے دنیا کی تمام قوموں میں بہت ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا تھا حالانکہ وہ انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیوں میں سے ایک پہیہ تھی۔ ہماری مراد طبقۂ اناث یعنی عورتوں سے ہے۔ عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد کی ساتھی بنا کر پیدا کیا تھا۔ دکھ سکھ ہر حال میں وہ مردوں کے ساتھ رہی لیکن رفتہ رفتہ ایسا وقت آ گیا کہ مردوں نے اس کی قدر و قیمت اور اہمیت کو قصۂ پارینہ بنا دیا۔ دنیا کی سبھی قوموں نے اس کو ذلت اور پستی کے عمیق گڑھے میں پھینک دیا۔ عیسائی عورت اور گناہ کو ایک چیز سمجھتے تھے۔ رومی عورت کو غلام یا نوکر سمجھتے تھے اور اس پر ہر طرح کی سختی کرنے کو جائز قرار دیتے تھے۔ ہندو عورت کو اپنی روحانی ترقی میں بڑی رکاوٹ جانتے تھے۔ یہودی عورت کو بعض خاص حالتوں میں گھر سے نکال دیتے تھے۔ عرب میں عورت کو جوتی کی نوک کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ کسی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تو اس کو بڑی ذلت اور بے عزتی کا باعث سمجھا جاتا۔ اکثر بے رحم لوگ بیٹی پیدا ہوتے ہی اسے زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے یا کسی کنوئیں میں پھینک دیتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے مبعوث ہو کر عورت کو اتنا بلند مقام دیا کہ اس کے قدموں کے نیچے جنت رکھ دی۔ آپ نے عورت کو ماں' بیوی' بیٹی اور بہن ہر حیثیت میں اتنی عزت دی اور اتنے حقوق عطا فرمائے کہ دنیا کی کسی دوسری قوم میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ قرآن

حکیم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کی عزت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سلسلے میں رسولِ اکرم ﷺ نے بھی ماں باپ کی فرمانبرداری اور خدمت کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے۔ آپؐ نے جہاں باپ کی ناراضی کو اللہ کی ناراضی قرار دیا ہے (یعنی باپ کو ناراض کرنے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے) وہاں مسلمانوں کو یہ بھی بتایا ہے کہ ماں کے قدموں میں تمہاری جنت ہے۔ مطلب یہ کہ ماں کی خدمت کرنے والا جنت کا حقدار بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے گناہ (ماں کی خدمت کے عوض) بخش دے گا اور اس کو جنت میں داخل کر دے گا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے' بے شک اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنی ماؤں کی نافرمانی کرنے اور ان کے حق غصب کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ عورت بیوی کی حیثیت میں ہو تو اللہ تعالیٰ نے مردوں کو حکم دیا ہے:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (نساء آیت:19)

''ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارو۔''

رسول پاک ﷺ نے بھی بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی تاکید فرمائی ہے' آپ کا ارشاد ہے کہ مسلمانوں میں وہی شخص کامل الایمان ہے جس کا اخلاقی برتاؤ سب کے ساتھ بہت اچھا ہو خصوصاً اپنی بیوی کے ساتھ جس کا سلوک لطف و محبت کا ہو (جامع ترمذی عن عائشہؓ) آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ کوئی ایمان والا شخص اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرتا' اگر اس کی کوئی عادت اچھی نہیں تو دوسری کوئی عادت اچھی ہوگی (یا عادتیں اچھی ہوں گی) (صحیح مسلم۔ عن ابو ہریرہؓ)

ایک دفعہ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! کسی شخص کی بیوی کا اس کے شوہر پر کیا حق ہے تو آپؐ نے فرمایا: اس کا حق یہ ہے کہ جب تو کھائے تو اسے کھلائے' اور جب تو پہنے تو اسے پہنائے اور اس کے چہرے پر نہ مارے اور اس کو بد دعا کے الفاظ نہ کہے اور اگر اس سے ترک تعلق کرے تو صرف گھر میں کرے۔ (ابوداؤد.....عن حکیم بن معاویہؓ)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی عورتوں کے لیے بہتر ہے۔ (ابن ماجہ)

بیوہ عورت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اس کے لیے دوڑ دھوپ کرنے والا (یعنی اس کی خبر گیری کرنے والا) مجاہد فی سبیل اللہ کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ رکھے اور رات بھر نماز پڑھے۔ (صحیحین عن ابو ہریرہؓ)

عورت بیٹی کی حیثیت میں ہو تو رسول اکرم ﷺ نے جہاں اس کو نہایت سختی کے ساتھ زندہ درگور کرنے یا قتل کرنے سے منع فرمایا ہے وہاں اس کو اچھے طریقے سے پالنے پوسنے کا حکم دیا اور ایسا کرنے کو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بتایا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاں بیٹی پیدا ہو پس وہ نہ اسے زندہ درگور کرے اور نہ ذلت کی حالت میں رکھے اور نہ اولادِ نرینہ (یعنی بیٹوں) کو اس پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کرے گا۔ (ابوداؤد)

حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جس کسی نے تین یا دو بیٹیوں یا ایک بیٹی کی بھی پیار محبت کے ساتھ پرورش اور تربیت کی یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بے نیاز کر دیا (یعنی وہ شادی کے بعد اپنے شوہر کے گھر پہنچ گئیں) تو ایسے شخص کے لیے اللہ نے جنت واجب کر دی (مشکوٰۃ شریف عن ابن عباسؓ) حضورؐ نے بہنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کی ہدایت فرمائی ہے۔

(بخاری، ادب المفرد عن کلیبؓ و مقدامؓ بن معدی کرب)

اسلام نے عورتوں کو اور جو بڑے بڑے حقوق عطا کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں:

① شادی کے لیے عورت کی رضا مندی ضروری ہے، اس کی مرضی کے خلاف یا اس کی رضا مندی کے بغیر کسی کو اس کے نکاح کرنے کا حق نہیں۔

② عورت (خواہ وہ کتنی مالدار ہو) شوہر سے ہر حال میں نفقہ پانے کی حقدار ہے۔

③ عورت باپ، شوہر اور اولاد سے (اور بعض صورتوں میں دوسرے قریبی رشتے داروں سے) وراثت پانے کی حقدار ہے۔

④ عورت شوہر سے شرعاً، اخلاقاً اور قانوناً مہر پانے کی حقدار ہے۔

⑤ ناکارہ، ظالم اور ناپسندیدہ شوہر سے جان چھڑانے کے لیے عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے۔

⑥ بیوہ، مطلقہ یا فسخ نکاح والی عورت کو دوسرے نکاح کا حق دیا گیا ہے۔

⑦ وراثت اور مہر سے حاصل شدہ رقم کی عورت کو (بلاشرکت غیرے) مالک قرار دیا گیا ہے۔ اگر وہ یہ رقم تجارت میں لگا کر یا محنت مزدوری کر کے کچھ حاصل کرتی ہے تو وہ بھی اس کی ملکیت قرار دیا گیا ہے۔

⑧ فوجداری اور دیوانی مقدمات میں اور جان، مال، عزت اور آبرو کے تحفظ میں عورت کو مرد

کے برابر رکھا گیا ہے۔

- عورت کو علم حاصل کرنے کی نہ صرف اجازت دی گئی بلکہ ان کی تعلیم و تربیت کو اسی طرح ضروری قرار دیا گیا ہے جس قدر مردوں کی تعلیم و تربیت ضروری ہے۔
- عبادت اور تزکیۂ نفس کے ذریعے عورت بڑے سے بڑا روحانی درجہ اسی طرح حاصل کر سکتی ہے جس طرح مرد۔
- عورت کا عمومی دائرہ کار وہی مقرر کیا گیا ہے جو اس کی جسمانی ساخت اور فطری صلاحیتوں سے ہم آہنگ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے عورت کو اس کی ہر حیثیت میں جو اونچا مقام اور احترام دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ عورتوں کے حقوق ادا کرنا جہاں ہر سچے مسلمان کی دینی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داری ہے وہاں یہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا ذریعہ بھی ہے۔

☆.....☆.....☆

خلوص

ہم اپنی صحبتوں اور اپنے ملک کی حالتوں پر غور کریں تو ہمیں ہر معاملے اور ہر کام کے بارے میں یہ بات صاف طور پر نظر آنے لگے گی کہ ہمیں اپنے برے جذبات ظاہر کرنے میں جو خلوص ہوتا ہے وہ اچھے کاموں میں نہیں ہوتا۔ آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا ہوگا جو ملک کے ریفارمر ہیں اور ملک و قوم کی حالت سدھارنے میں لگے رہتے ہیں اور ان لوگوں کو بھی دیکھا ہوگا جو امیر زادوں کی صحبتوں میں شریک ہو کے انہیں طرح طرح کی بداخلاقیوں کی طرف متوجہ کیا کرتے ہیں۔ مگر سچ بتایئے کہ کبھی اور کہیں آپ نے وہ خلوص جو ان بداخلاقیاں سکھانے والوں میں دیکھا ہے، سچے ریفارمروں اور مصلحانِ ملک میں بھی پایا ہے، اور چونکہ نتیجہ اسی کا ظاہر ہوا کرتا ہے جس کی کوشش میں خلوص ہو۔ (مولانا عبدالحلیم شرر)

مولانا محمد یوسف اصلاحی

استقبالِ رمضان المبارک

رمضان المبارک کا شایانِ شان استقبال کرنے کے لیے شعبان ہی سے ذہن کو تیار کیجئے اور شعبان کی پندرہ تاریخ سے پہلے پہلے کثرت سے روزے رکھیے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ سب مہینوں سے زیادہ شعبان کے مہینے میں روزے رکھا کرتے تھے۔

پورے اہتمام اور اشتیاق کے ساتھ رمضان المبارک کا چاند دیکھنے کی کوشش کیجئے اور چاند دیکھ کر یہ دعا پڑھیے:

"اللہ اکبر اللھم اھلہ علیھنا بالامن والایمان والسلامة والسلام' والتوفیق لما تحب وترضی ربنا وربك الله"

''خدا سب سے بڑا ہے۔ خدایا! یہ چاند ہمارے لیے امن و ایمان، سلامتی اور اسلام کا چاند بنا کر طلوع فرما۔ اور ان کاموں کی توفیق کے ساتھ جو تجھے محبوب اور پسند ہیں۔ اے چاند! ہمارا رب اور تیرا رب اللہ ہے۔''

اور ہر مہینے کا نیا چاند دیکھ کر یہی دعا پڑھیے۔ (ترمذی ابن حبان وغیرہ)

رمضان میں عبادات سے خصوصی شغف پیدا کیجئے۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل کا بھی خصوصی اہتمام کیجئے اور زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کے لیے کمربستہ ہو جائیے۔ یہ عظمت و برکت والا مہینہ خدا کی خصوصی عنایت اور رحمت کا مہینہ ہے۔ شعبان کی آخری تاریخ کو نبی ﷺ نے رمضان کی برکتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگو! تم پر ایک بہت عظمت و برکت کا مہینے سایہ فگن ہونے والا ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ہزار مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔ خدا نے اس مہینے کے روزے فرض قرار دیئے ہیں اور قیام لیل (مسنون تراویح) کو نفل قرار دیا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں دل کی خوشی سے بطور خود کوئی ایک نیک کام کرے گا وہ دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اجر پائے گا۔ اور جو شخص اس مہینے میں ایک فرض ادا کرے گا خدا اس کو دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب بخشے گا۔''

پورے مہینے کے روزے نہایت ذوق شوق اور اہتمام کے ساتھ رکھیے اور اگر کبھی مرض کی شدت یا شرعی عذر کی بنا پر روزے نہ رکھ سکیں تب بھی احترام رمضان میں کھلم کھلا کھانے سے سختی کے ساتھ پرہیز کیجئے اور اس طرح رہیے کہ گویا آپ روزے سے ہیں۔

تلاوت قرآن کا خصوصی اہتمام کیجئے۔ اس مہینے کو قرآن پاک سے خصوصی مناسبت ہے۔ قرآن پاک اسی مہینے میں نازل ہوا اور دوسری آسمانی کتابیں بھی اسی مہینے میں نازل ہوئیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اسی مہینے کی ۱۲ یا ۱۸ کو زبور دی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اسی مبارک مہینے کی ۶ تاریخ کو تورات نازل ہوئی' اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اسی مبارک مہینے کی ۱۲' یا ۱۳ تاریخ کو انجیل دی گئی۔ اس لیے اس مہینے میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھنے کی کوشش کیجئے۔ حضرت جبرائیلؑ ہر سال رمضان میں نبی ﷺ کو پورا قرآن سناتے اور سنتے تھے اور آخری سال آپ نے دوبار رمضان میں نبی ﷺ کے ساتھ دور فرمایا۔

قرآن پاک ٹھہر ٹھہر کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھنے کی کوشش کیجیے۔ کثرت تلاوت کے ساتھ ساتھ سمجھنے اور اثر لینے کا بھی خاص خیال رکھیے۔ تراویح میں پورا قرآن سننے کا اہتمام کیجیے۔ ایک بار رمضان میں پورا قرآن پاک سننا مسنون ہے۔

تراویح کی نماز خشوع وخضوع اور ذوق شوق کے ساتھ پڑھیے اور جوں توں بیس رکعت کی گنتی پوری نہ کیجئے بلکہ نماز کو نماز کی طرح پڑھیے تاکہ آپ کی زندگی پر اس کا اثر پڑے اور خدا سے تعلق مضبوط ہو اور خدا توفیق دے تو تہجد کا بھی اہتمام کیجے۔

صدقہ اور خیرات کیجیے' غریبوں' بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کیجئے اور ناداروں کی سحری اور افطار کا اہتمام کیجئے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''یہ مواسات کا مہینہ ہے۔'' یعنی غریبوں اور حاجت مندوں کے ساتھ ہمدردی کا مہینہ ہے۔ ہمدردی سے مراد مالی ہمدردی بھی ہے اور زبانی ہمدردی بھی۔ ان کے ساتھ گفتار اور سلوک میں نرمی برتیے' ملازمین کو سہولتیں دیجئے اور مالی اعانت کیجیے۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ سخی اور فیاض تو تھے ہی مگر رمضان میں تو آپ ﷺ کی سخاوت بہت ہی بڑھ جاتی تھی۔ جب حضرت جبرائیلؑ ہر رات کو آپ ﷺ کے پاس آتے اور قرآن پاک پڑھتے اور سنتے تھے تو ان دنوں نبی ﷺ تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ فیاض ہوتے تھے۔

شب قدر میں زیادہ سے زیادہ نوافل کا اہتمام کیجئے اور قرآن کی تلاوت کیجئے۔ اس رات

کی اہمیت یہ ہے کہ اس رات میں قرآن نازل ہوا۔قرآن میں ہے:

''ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا' اورتم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس میں فرشتے اور حضرت جبرائیلؑ اپنے پروردگار کے حکم سے ہر کام کے انتظام کے لیے اترتے ہیں۔ سلامتی ہی سلامتی یہاں تک کہ صبح ہو جائے۔''

حدیث میں ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہوتی ہے۔اس رات کو یہ دعا پڑھیے:

''اللھم انك عفو تحب العفو فاعف عنی'' (حصن حصین)

''خدایا! تو بہت ہی زیادہ معاف فرمانے والا ہے کیونکہ معاف کرنا تجھے پسند ہے' پس تو مجھے معاف فرمادے۔''

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک سال رمضان آیا تو نبی ﷺ نے فرمایا:''تم لوگوں پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے، جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا وہ سارے کے سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اور اس رات کی خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔'' (ابن ماجہ)

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کیجئے۔ نبی ﷺ رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ''رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی ﷺ راتوں کو زیادہ سے زیادہ جاگ کر عبادت فرماتے اور گھر والیوں کو بھی جگانے کا اہتمام کرتے اور پورے جوش اور انہماک کے ساتھ خدا کی بندگی میں لگ جاتے۔''

رمضان میں لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی اور شفقت کا سلوک کیجئے۔ ملازمین کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں دیجیے اور فراخ دلی کے ساتھ ان کی ضرورتیں پوری کیجئے اور گھر والوں کے ساتھ بھی رحمت اور فیاضی کا برتاؤ کیجئے۔

نہایت عاجزی اور ذوق شوق کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دعائیں کیجئے۔ درمنثور میں ہے کہ جب رمضان کا مبارک مہینہ آتا تو نبی ﷺ کا رنگ بدل جاتا تھا اور نماز میں اضافہ ہو جاتا تھا اور دعا میں بہت عاجزی فرماتے تھے اور خوف بہت زیادہ غالب ہو جاتا تھا۔

اور حدیث میں ہے کہ ''خدا رمضان میں عرش اٹھانے والے فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنی عبادت چھوڑ دو اور روزہ رکھنے والوں کی دعاؤں پر آمین کہو۔''

صدقۂ فطر دل کی رغبت کے ساتھ پورے اہتمام سے ادا کیجیے اور عید کی نماز سے پہلے ادا کر دیجیے۔ بلکہ اتنا پہلے ادا کیجیے کہ حاجتمند اور نادار لوگ بسہولت عید کی ضروریات مہیا کر سکیں اور وہ بھی سب کے ساتھ عیدگاہ جا سکیں اور عید کی خوشیوں میں شریک ہو سکیں۔

حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے صدقۂ فطر امت کے لیے اس لیے ضروری قرار دیا تاکہ وہ ان بیہودہ اور فحش باتوں سے جو روزے میں روزہ دار سے سرزد ہو گئی ہوں' کفارہ بنے اور غریبوں اور مسکینوں کے کھانے کا انتظام ہو جائے۔'' (ابوداؤد)

رمضان کے مبارک دنوں میں خود زیادہ سے زیادہ نیکی کمانے کے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی نہایت سوز' تڑپ' نرمی اور حکمت کے ساتھ نیکی اور خیر کے کام کرنے پر ابھاریئے تاکہ پوری فضا پر' خداترسی' خیر پسندی اور بھلائی کے جذبات چھائے رہیں اور سوسائٹی زیادہ سے زیادہ رمضان کی بیش بہا برکتوں سے فائدہ اٹھا سکے۔

☆.....☆.....☆

ذکر دُرود

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ میں (اپنی دعا میں) آپ ﷺ پر کثرت سے درود پڑھتا ہوں، آپ ﷺ اس کے لیے کوئی حصہ مقرر فرما دیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: جتنا تم چاہو۔ میں نے عرض کیا: چوتھائی، فرمایا: جتنا تم مناسب سمجھو، اگر اس میں اضافہ کرو تو تمہارے لیے بہتر ہوگا۔ میں نے عرض کیا: نصف؟ آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ جو مناسب سمجھو، ہاں اگر زیادہ کرلو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ دو تہائی؟ اس پر بھی آپ ﷺ نے یہی فرمایا کہ جو تم چاہو کرلو، البتہ زیادہ کرلو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔ میں نے عرض کیا کہ میں اپنی ساری دعا ہی آپ پر درود بھیجنے پر مشتمل رکھوں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر تو تمہاری ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی اور تمہارے گناہ معاف کر دیے جائیں گے۔ (ترمذی، بحوالہ مشکوٰۃ)

انتخاب: لیفٹیننٹ کرنل ریٹائرڈ عابد حسین عابد مرحوم

حیرت اور خشیتِ الٰہی

1909ء کا ذکر ہے۔ اتوار کا دن تھا اور زور کی بارش ہو رہی تھی، میں کسی کام سے باہر نکلا تو کیمبرج یونیورسٹی کے مشہور ماہرِ فلکیات سر جیمس جینز (Sir James Jeans) پر نظر پڑی جو چرچ کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے قریب ہو کر سلام کیا۔ انھوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دوبارہ سلام کیا تو وہ متوجہ ہوئے اور کہنے لگے تم کیا چاہتے ہو؟

میں نے کہا، دو باتیں۔ اوّل یہ کہ زور سے بارش ہو رہی ہے اور آپ نے چھتری بغل میں داب رکھی ہے۔ سر جیمس اپنی بدحواسی پر مسکرائے اور چھتری تان لی۔ دوم یہ کہ آپ جیسا شہرۂ آفاق آدمی گرجا میں عبادت کے لیے جا رہا ہے، یہ کیا؟ میرے اس سوال پر پروفیسر جیمس لمحہ بھر کے لیے رُک گئے اور پھر میری طرف متوجہ ہو کر فرمایا: آج شام کو چائے میرے ساتھ پیو۔ چنانچہ شام کو میں ان کی رہائش گاہ پہنچا۔ ٹھیک چار بجے لیڈی جیمس باہر آ کر کہنے لگیں: سر جیمس تمہارے منتظر ہیں۔ اندر گیا تو ایک چھوٹی سی میز پر چائے لگی ہوئی تھی۔ پروفیسر صاحب تصوّرات میں کھوئے ہوئے تھے۔ کہنے لگے: تمہارا سوال کیا تھا۔ اور میرے جواب کا انتظار کئے بغیر اجرامِ فلکی کی تخلیق، ان کے حیرت انگیز نظام، بے انتہا پنہائیوں اور فاصلوں، ان کی پیچیدہ راہوں اور مداروں، نیز باہمی کشش اور طوفان ہائے نُور پر وہ ایمان افروز تفصیلات پیش کیں کہ میرا دل اللہ کی اس داستانِ کبریائی و جبروت پر دہلنے لگا۔ اور ان کی اپنی کیفیت یہ تھی کہ سر کے بال سیدھے اُٹھے ہوئے تھے، آنکھوں سے حیرت وخشیت کی دوگونہ کیفیتیں عیاں تھیں۔ اللہ کی حکمت و دانش کی ہیبت سے ان کے ہاتھ قدرے کانپ رہے تھے اور آواز لرز رہی تھی۔ فرمانے لگے: عنایت اللہ خاں! جب میں خدا کے تخلیقی کارناموں پر نظر ڈالتا ہوں تو میری تمام ہستی اللہ کے جلال سے لرزنے لگتی ہے۔ جب کلیسا میں خدا کے سامنے سرنگوں ہو کر کہتا ہوں: ''تُو بہت بڑا ہے''، تو میری ہستی کا ہر ذرّہ میرا ہمنوا بن جاتا ہے۔ مجھے بے حد سکون اور خوشی نصیب ہوتی ہے۔ مجھے دوسروں کی نسبت عبادت میں ہزار گنا زیادہ کیف ملتا ہے۔ کہو عنایت اللہ خاں، تمہاری سمجھ میں آیا کہ میں گرجا کیوں جاتا ہوں۔ علامہ مشرقی کہتے ہیں کہ پروفیسر جیمس کی اس تقریر نے میرے دماغ

میں عجیب کہرام پیدا کر دیا۔ میں نے کہا: جناب والا، میں آپ کی روح افروز تفصیلات سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ اس سلسلہ میں قرآنِ مجید کی ایک آیت یاد آ گئی ہے، اگر اجازت ہو تو پیش کروں۔ فرمایا: ضرور۔ چنانچہ میں نے یہ آیت پڑھی: اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا (فاطر 35: 28؛ صرف اہلِ علم ہی حیرت اور تعجب کے جذبات کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی جلالت و قُدرت اور عظمت و سطوت کے معترف و مرعوب نیز متحیّر و مبہوت ہوتے اور سرِ تسلیم خم کرتے ہیں۔

اہلِ علم کو ایسی حالت میں دیکھ کر، اللہ تعالیٰ یقیناً کائنات کے مزید اسرار و رُموز عطا فرماتا ہے جو ایجاد و اختراع کی صورت میں ہمیں ملتے ہیں)۔ یہ آیت سنتے ہی پروفیسر جیمس بولے: کیا کہا، حیرت انگیز، بہت عجیب۔ یہ بات جو مجھے پچاس برسوں کے مسلسل مُطالعہ و مشاہدہ کے بعد معلوم ہوئی، محمد ﷺ کو کس نے بتائی؟ کیا قرآنِ مجید میں واقعی یہ آیت موجود ہے؟ اگر ہے تو میری شہادت لکھ لو کہ قرآن ایک الہامی کتاب ہے۔ محمد ﷺ اَن پڑھ تھے، انھیں یہ عظیم حقیقت خود بخود معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ انھیں یقیناً اللہ نے بتائی تھی، بہت خوب! بہت عجیب ؎

تیری دنیا میں میرے علم کا حاصل حیرت ایسی حیرت کہ جسے علم کا عرفاں کہیے

ہر دلعزیزی کا ذریعہ

یہ اس زمانے کا واقعہ ہے جب سلطان محمود نے خراسان پر قبضہ کر کے اپنی سلطنت کو وسیع کر لیا تھا۔ ایک دن اس کا وزیر خواجہ احمد، سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلطان نماز کے بعد مصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ مصلے سے اٹھ کر آئینے میں اپنی شکل دیکھنے لگا۔ اپنی صورت دیکھ کر گہری فکر میں ڈوب گیا۔ وزیر نے پوچھا: ''آپ کس گہری سوچ میں ڈوب گئے ہیں، اس کا سبب کیا ہے؟'' سلطان نے کہا: ''آئینے میں اپنی جو شکل دیکھی تو افسوس ہوا کہ میں خوبصورت نہیں ہوں۔ حسن بھی حکومت کی کامیابی کا ایک سبب ہوتا ہے اور رعایا کے دلوں پر اس کے ذریعے قبضہ کیا جا سکتا ہے۔'' وزیر خواجہ احمد نے کہا: ''عوام کے دلوں پر قبضہ کا ایک اور ذریعہ بھی ہے اور وہ بہت آسان بھی ہے۔'' سلطان نے پوچھا: ''وہ کیا؟'' وزیر نے کہا: ''اگر آپ رعایا کے دلوں پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں تو مال و دولت اپنے قبضے میں نہ رکھیں۔'' سلطان کو وزیر کی بات پسند آئی اور اس نے فیاضیوں کا دائرہ وسیع کر دیا۔

ڈاکٹر عبداللہ محسن

مدینہ منورہ سے تبوک تک

دنیا میں سب سے زیادہ پرسکون شہر مدینہ منورہ ہے۔ اس کا قدیم نام یثرب تھا۔ اللہ کے رسول (ﷺ) جب یہاں تشریف لائے اور اپنے وعدے کے مطابق مستقل سکونت اختیار فرمائی تو اس کا نام مدینۃ الرسول (یعنی رسول کا شہر) پڑ گیا۔ اس میں داخل ہوتے ہی آپ کو طمانیت کا احساس ہوتا ہے اور دل و دماغ کی کیفیات بدلنے لگتی ہیں۔ ہر شخص ایک دوسرے کو محبت کی نظروں سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔

مسجد کے مینار سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے تو حضرت بلالؓ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ سبز گنبد پر نظر پڑتی ہے تو دل کی عجیب کیفیت ہو جاتی ہے۔ مسجد نبوی میں داخل ہوں تو محسوس ہوتا ہے کہ زندگی کی رفتار آہستہ ہوگئی ہے اور دل کو ایک قرار مل جاتا ہے۔ ریاض الجنۃ میں نفل پڑھنے کا موقع مل جائے تو رب کا بہت شکر ادا کیجئے۔

باب السلام سے روضۂ رسول (ﷺ) کی طرف رخ کریں تو دل میں ادب کی ایک خاص کیفیت اور زبان پر بے اختیار درود پاک رواں ہو جاتا ہے۔ نظریں ادب سے جھک جاتی ہیں۔ روضہ کے سامنے پہنچ کر "السلام علیك یا رسول اللہ" کہہ کر آگے بڑھتے ہیں تو دل خوشیوں سے بھر جاتا ہے۔

سارا سال مسجد میں قرآن کی تعلیم اور تحفیظ کا سلسلہ جاری رہتا ہے لیکن رمضان میں یہاں کا عجیب ہی منظر ہوتا ہے۔ افطار کے وقت مدینہ کے باسی آپ سے مؤدبانہ درخواست کریں گے کہ ان کے دسترخوان پر روزہ افطار کیا جائے۔ آپ جونہی مسجد نبویؐ میں داخل ہوں گے، ان کے بچے آپ کی چپلیں اپنے ہاتھ میں لے لیں گے اور آپ کو نہایت احترام کے ساتھ اپنے دسترخوان تک لے جائیں گے۔ دس منٹ بعد سارے دسترخوان نہایت احتیاط سے لپیٹ دیے جائیں گے اور مسجد ایسی صاف ستھری نظر آئے گی کہ محسوس بھی نہیں کیا جا سکتا کہ یہاں پر ابھی ہزاروں لوگوں نے کچھ کھایا ہے۔ کاش ہم ایسی صفائی کا اہتمام اپنے ملکوں، مسجدوں اور گھروں میں کر سکیں۔

مسجد نبوی (ﷺ) کے اطراف کا منظر

مسجد کے اندر سے صحن میں قدم رکھیں تو دور تک بڑی چھتریوں کا سایہ آپ کو ڈھانپ لیتا ہے۔ دن میں چہار اطراف میں یہ سایہ موجود رہتا ہے۔ مغرب کے وقت یہ چھتریاں بند ہو کر مینار کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور ان کے ستونوں سے نور کی بارش نکلتی ہے۔ ان ستونوں پر لگے پانی والے بڑے پنکھوں سے دن اور رات ہلکی بارش ہوتی رہتی ہے۔ زائرین کے لیے اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ ''قبلہ والی جانب کے صحن میں امام کی جگہ سے آگے نماز ادا نہیں کی جا سکتی۔'' اس مقصد کے لیے وہاں بورڈ لگے ہوئے ہیں جن پر کئی زبانوں میں ہدایات لکھی ہوئی ہیں۔

گیٹ نمبر 1 کے پاس جنت البقیع موجود ہے جس کا تذکرہ آگے آئے گا۔ مسجد کے صحن میں داخلے کے لیے 37 گیٹ موجود ہیں اور اتنے ہی اندرونی دروازے مسجد میں داخلے کے لیے بنائے گئے ہیں۔ ان کی ترتیب ایسے رکھی گئی کہ صحن اور مسجد کے دروازوں کا ایک ہی نمبر ہوتا کہ زائرین کو آنے جانے میں آسانی ہو۔ مردوں کے لیے مسجد کے اگلے حصے میں جگہ بنائی گئی ہے اور ان کے داخلے کے لیے چاروں طرف دروازے موجود ہیں جبکہ خواتین کے لیے پچھلے حصے میں جگہ بنائی گئی ہے اور ان کے لیے مسجد کے اندر داخلہ گیٹ نمبر 7 اور 25 سے ہوتا ہے۔ ان دروازوں کے پاس صحن میں بھی خواتین کے لیے کافی جگہ مختص کی گئی ہے۔ وضو کے لیے صحن میں سے زیرِ زمین راستے موجود ہیں جن میں خودکار سیڑھیاں لگی ہوئی ہیں۔ وضو خانوں کے نیچے تہہ خانے میں گاڑیوں کی پارکنگ کا وسیع انتظام ہے جس کے لیے صرف ایک ریال فی گھنٹہ فیس ہے۔ آپ اپنی گاڑی پر جائیں اور ہوٹل میں ٹھہریں تو بہتر یہی ہے کہ مسجد کے نیچے گاڑی کھڑی کر دیں۔

مسجد نبوی کے اندر اس وقت 8 لاکھ سے زائد افراد کی گنجائش موجود ہے، جبکہ جنت البقیع کی سائڈ پر مزید 7 لاکھ افراد کے لیے توسیع کا کام زور شور سے جاری ہے۔ اس توسیع سے روضۂ رسولؐ کے بائیں جانب بھی بڑی تعداد میں لوگ اندر نماز ادا کر سکیں گے۔ مسجد کی پچھلی جانب شہدائے احد کے مقام تک 5 کلومیٹر لمبی ایک وسیع و عرض شاہراہ بنائی جا رہی ہے جس کے اطراف میں مسجد کی مزید توسیع آنے والے عشروں میں کی جائے گی۔

2010ء میں مسجد نبوی کا 50 سال کا ماسٹر پلان بنایا گیا جس کا مقصد 50 لاکھ افراد کے

لیے مسجد کے اندر جگہ بنانے کا پروگرام ہے۔ ایسا ہی ماسٹر پلان خانہ کعبہ کی توسیع کے لیے بنایا گیا ہے جس کا مقصد حاجیوں کی تعداد 50 لاکھ تک بڑھانا ہے۔ یہ ماسٹر پلان شاہ عبداللہ کی ذاتی نگرانی میں بنائے گئے ہیں جن کا مقصد حج اور عمرہ کرنے والوں کو بہترین سہولیات مہیا کرنا ہے۔ 2019ء میں حاجیوں کو دس سال پہلے کے مقابلے میں بہترین سہولیات مہیا کی گئیں جن کا مشاہدہ میں نے خود کیا ہے۔

☆ مسجد نبویؐ سے ملحق قرآن میوزیم

مسجد کے جنوبی حصہ میں گیٹ نمبر 5 کے ساتھ قرآن میوزیم موجود ہے جہاں پر نبی پاکؐ کی انگوٹھی کا نمونہ اور آپؐ کے خطوط کی تصویریں موجود ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بے شمار تاریخی نوادرات موجود ہیں جن میں 200 سال پرانے قرآن مجید کے نسخے بھی شامل ہیں۔

50 تصویروں اور پینٹنگز کے ذریعے قرآن پاک کے بارے میں بے شمار معلومات ملتی ہیں۔ کئی چیزوں کو ماڈل بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ عربی اور انگریزی زبان میں مستند تاریخی حقائق بیان کیے گئے ہیں۔ مدینہ منورہ کے بارے میں لکھی ہوئی کئی زبانوں کی کتابیں موجود ہیں۔ اسلامی تاریخ کا ایک بیش بہا خزانہ یہاں موجود ہے۔

☆ مسجدِ نبویؐ کی توسیع

20 منٹ کی ایک ڈاکومنٹری فلم کے ذریعہ مسجد نبویؐ کی توسیع کی تاریخ بھی زائرین کو دکھائی جاتی ہے۔ اس وقت تک مسجد نبوی کی دس بار توسیع کی جا چکی ہے اور اب گیارھویں توسیع جنت البقیع کی جانب کی جا رہی ہے۔ سب سے پہلی توسیع حضرت محمد (ﷺ) کی زندگی میں 628 عیسوی میں کی گئی۔ اس کے بعد 651, 710, 778. 782, 1483, 1840, 1861 عیسوی میں مسجد کی توسیع ہوئی۔ کنگ عبدالعزیز کے دور میں 1953ء میں کافی زیادہ توسیع کی گئی اور اب کنگ عبداللہ کے دور میں بڑی تعمیرات کا سلسلہ شروع ہوا جو تاحال جاری ہے۔ ان تاریخی معلومات کو تصویروں، نقشوں اور ماڈلز کے ذریعے ایسے خوبصورت طریقے سے دکھایا گیا ہے کہ ہمارے سامنے تقریباً ساڑھے چودہ سو سال کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

جنوری 2012ء میں ''مسجد نبوی کے نادر مخطوطات کی نمائش'' کا افتتاح ہوا۔ یہ تاریخی نمائش حرمین شریف انتظامیہ اور کنگ عبدالعزیز میوزیم کے اشتراک سے منعقد کی گئی ہے۔ حرمین

شریف انتظامیہ کے سربراہ شیخ عبدالرحمٰن سدیس نے بتایا کہ مدینہ منورہ اور مسجد نبوی کی تاریخ کو محفوظ رکھنے کے لیے اس اہم نمائش کا اہتمام کیا گیا ہے۔ اس نمائش میں قرآن پاک کے نادر نسخے بھی موجود ہیں۔ ریسرچ کرنے والوں کے لیے اس میں کافی مواد موجود ہے۔ عام زائرین بھی اس نمائش سے فائدہ اٹھاسکیں گے۔

☆ اسماء الحسنٰی کی نمائش

مسجد نبویؐ کی مغربی جانب گیٹ نمبر 13 کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ناموں کی نمائش گاہ ہے جہاں پر دیدہ زیب انداز میں اسماء الحسنی لکھے گئے ہیں۔ ان ناموں سے اللہ کی بے حد وحساب قدرت اور بے پایاں اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کو یاد کرنے اور سمجھنے سے توحید پر ایمان پختہ ہوتا ہے اور اللہ سے تعلق مضبوط ہوتا ہے۔ یہ جگہ تقریباً دس برس قبل زائرین کے لیے کھولی گئی تھی۔ خواتین اور مرد دونوں کو اندر جانے کی اجازت ہے۔ کھلنے کے اوقات ہفتہ سے جمعرات صبح 9 سے 2 بجے دوپہر اور شام 4 سے رات 9 بجے تک ہیں۔ جمعہ کو صبح کے اوقات میں بند رہتی ہے اور صرف شام 4 سے رات 9 بجے تک کھلتی ہے۔

قرآن اور حدیث میں اسماء الحسنٰی کو پڑھنے اور یاد کرنے کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''اور اللہ تعالیٰ کے اچھے نام ہیں تو اس کو انہی ناموں سے پکارو۔'' صحیح بخاری شریف میں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا: ''یقیناً اللہ کے ننانوے نام ہیں یعنی ایک کم سو۔ جس نے ان کا احصا کیا (یعنی پڑھنا، سمجھنا اور یاد کرنا) وہ جنت میں داخل ہوگا۔''

ہمارے لیے ان ناموں کو یاد کرنے میں بہت بڑا فائدہ اس لیے ہے کہ دعا میں جن تین چیزوں کا واسطہ دینے کی اجازت ہے ان میں اولین چیز اسماء الحسنی ہیں، یعنی جو دعا اللہ کے ناموں کا واسطہ دے کر مانگی جائے اس کی قبولیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ بیماری سے شفاء حاصل کرنے کے لیے بھی ان ناموں کے ساتھ دعا کرنے کی تاکید موجود ہے۔ مدینہ جانے والے ہر شخص کو ان نمائشوں کو ضرور دیکھنا چاہئے۔

☆ مسجد قبا اور اس کی فضیلت

سب سے پہلی مسجد رسول اللہ ﷺ نے تعمیر کی وہ مسجد نبوی سے 5 کلومیٹر دور مسجد قبا ہے۔ مدینہ کے مضافات میں قبا وہ مقام ہے جہاں آپؐ نے ہجرت کے بعد بنوعمرو بن عوف کے قبیلہ

میں قیام فرمایا۔ اس کی پہلی اینٹ آپؐ نے خود رکھی اور ان کی بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے دوسری اور تیسری اینٹ رکھی۔ سورہ توبہ کی آیت 108 میں اسی مسجد کا ذکر ہے جس کا قیام تقویٰ کی بنیاد پر ہوا۔ رسول اللہ (ﷺ) نے قبا میں 14 روز قیام کیا اور یہاں قصر نماز ادا کی۔

مدینہ میں قیام کے دوران رسول اللہ (ﷺ) ہفتہ کے روز کبھی سوار اور کبھی پیدل قبا تشریف لے جاتے اور اس مسجد میں دو نفل ادا فرماتے تھے۔ (روایت حضرت عبداللہ ابن عمر)

آپؐ نے فرمایا: ''جو شخص اپنے گھر سے وضو کر کے نکلے اور مسجد قبا میں دو نفل پڑھے، اس کے لیے ایک عمرہ کا ثواب ہے۔'' (امام احمد، نسائی، ابن ماجہ)۔ مسجد قبا جانے والے زائرین کے لیے اس حدیث میں بڑی بشارت ہے۔ دن اور رات یہاں عقیدت مندوں کا تانتا بندھا رہتا ہے۔ زائرین کے ذہن میں ہجرت کے سفر کا وقت تازہ ہو جاتا ہے جب اللہ کے رسول (ﷺ) اور حضرت ابوبکرؓ کفار کے تعاقب سے بچ کر قبا پہنچے تھے۔ یہاں کی دکانوں پر کئی نادر اور خاص چیزیں مل جاتی ہیں۔ اللہ کی توفیق سے مجھے کئی بار اپنی فیملی کے ہمراہ یہاں نفل ادا کرنے کا موقع ملا۔

حضرت عثمانؓ نے مسجد قبا کی اولین توسیع کروائی۔ حضرت عمر بن عبداللہؒ نے ولید بن عبدالملک کے دور میں اضافہ کروایا اور اس کا مینار اور دالان بنوائے گئے۔ 555, 671, 733 ھجری میں اس کی مزید توسیع ہوئی۔ سعودی عہد میں اس کی عمارت کو کئی گنا بڑا کر دیا گیا۔ اس کا مکمل رقبہ اب 14 ہزار مربع میٹر کے قریب ہے۔ اس مسجد کے 6 بڑے اور 56 چھوٹے گنبد ہیں۔ مسجد کے ساتھ ایک لائبریری اور تحائف کی دکانیں بنائی گئی ہیں۔ میٹھے پانی کا بندوبست ہے۔ قبا کا موسم خوشگوار رہتا ہے۔ گرمی میں بھی جائیں تو وہاں معتدل موسم ہوتا ہے۔ (جاری ہے)

M. Zafar Sons
To feel good is to look good
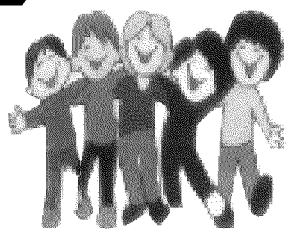
Ready made Garments
Specialist in School Uniform
24-E, Main Market , Gulberg II, Lahore.
Tel: 35755208-35712950
Fax: 042-35712950
E-mail: mzafarsons@hotmail.com

علی حمزہ

دانش پارے

☆عقل، محبت، عشق اور تقدیر

کہتے ہیں کہ حضرت لقمان کے پاس ایک مرتبہ عقل آئی۔عقل کوئی مجسم چیز نہیں، وہ کس طرح آئی اور کس طرح اس نے بات کی اسے جانے دیجئے، یہاں اپنی عقل کو کام میں لانے کی کوشش نہ کیجئے، صرف یہ دیکھیے کہ بات کتنی دلچسپ اور تجربے کی ہوئی۔لقمان نے اس عقل سے پوچھا: ''تو کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟'' کہنے لگی: ''میں عقل ہوں اور سر میں رہتی ہوں۔'' پھر لقمان کے پاس شرم آئی۔لقمان نے پوچھا: ''تو کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''میں شرم ہوں اور آنکھوں میں رہتی ہوں۔'' پھر محبت آئی ،اس سے بھی لقمان نے وہی سوال کیا۔اس نے بتایا کہ میں محبت ہوں اور دل میں رہتی ہوں۔اسی طرح تقدیر آئی، اس سے بھی وہی سوال کیا گیا۔اس نے کہا: ''میں تقدیر ہوں اور سر میں رہتی ہوں۔'' لقمان نے کہا: ''وہاں تو عقل رہتی ہے'' اس نے جواب دیا: ''یہ ٹھیک ہے مگر جب میں آتی ہوں تو عقل پہلے ہی رخصت ہو جاتی ہے۔'' پھر عشق آیا، اس سے لقمان نے سوال کیا، کہنے لگا ''میں عشق ہوں اور آنکھوں میں رہتا ہوں۔'' آپ نے کہا کہ ''وہاں تو شرم رہتی ہے۔'' جواب دیا کہ ''ہاں لیکن جب میں آتا ہوں تو شرم اٹھ جاتی ہے۔'' آخر میں طمع آئی پوچھا: ''تو کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟'' کہا کہ ''میرا نام طمع ہے اور میرا مقام دل ہے۔'' آپ نے فرمایا کہ ''وہاں تو محبت رہتی ہے'' اس نے جواب دیا کہ ''بے شک وہ رہتی ہے لیکن جب میں آتی ہوں تو محبت بوریا بستر باندھ کر چل دیتی ہے۔''

☆مرد پر عورت کی فضیلت

حضرت رابعہ بصریؒ سے ایک شخص نے مزاحاً کہا کہ ''اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر تین فضیلتیں دی ہیں۔پہلی یہ کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں اسی لیے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد

کے برابر ہوتی ہے۔ دوسری یہ کہ کچھ دن ان پر ایسے آتے ہیں کہ وہ قرآن کریم پڑھنے اور ادائے نماز سے معذور ہو جاتی ہیں۔ تیسری یہ کہ نبوت ہمیشہ مردوں کو عطا ہوئی۔ عورت اس منصب کے لائق نہیں سمجھی گئی۔'' رابعہ بصریؒ نے فرمایا: ''تین فضیلتیں عورتوں کو بھی خدا نے دی ہیں جن سے مرد محروم ہیں۔ پہلی یہ کہ آج تک کسی عورت نے خدائی کا جھوٹا دعویٰ کرنے کی حماقت نہیں کی۔ دوسری یہ کہ عورتوں میں ہیجڑے اور مخنث نہیں ہوتے۔ تیسری یہ کہ سارے انبیاء، اولیاء عورت ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے لیکن بغیر ماں کے آج تک کوئی پیدا نہیں ہوا۔''

☆ بیوی کی نہ بولنے کی قسم اور امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ

ایک شخص کا اپنی بیوی سے کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ اس نے غصے میں قسم کھا کر بیوی سے کہہ دیا کہ جب تک تو مجھ سے نہ بولے گی میں بھی تجھ سے کبھی نہ بولوں گا۔ عورت تند مزاج تھی، اس نے بھی قسم کھا کر وہی الفاظ دہرا دیے جو خاوند نے کہے تھے۔ جب غصہ فرو ہوا تو دونوں اپنی قسم پر پچھتائے۔ خاوند امام سفیان ثوری کے پاس گیا اور صورتحال بیان کی۔ امام صاحب نے کہا کہ قسم کا کفارہ دینا ہوگا، اس کے سوا چارہ نہیں۔ وہاں سے وہ مایوس ہو کر لوٹا اور امام ابوحنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے واقعہ سن کر فرمایا: ''جاؤ شوق سے باہم باتیں کرو، کسی پر کفارہ لازم نہیں۔''

سفیان ثوری نے یہ فیصلہ سنا تو بہت حیران ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ سے جا کر کہا: ''آپ نے یہ کیا غلط فتویٰ دے دیا ہے۔'' امام ابوحنیفہ نے اس شخص کو بلا بھیجا اور فرمایا کہ دوبارہ صورت حالات بیان کرو۔ اس نے اپنا پہلا بیان دہرا دیا۔ امام ابوحنیفہ نے سفیان ثوری سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''میں نے جو پہلے کہا ہے اب بھی وہی کہتا ہوں یعنی کفارہ لازم نہیں۔'' سفیان ثوری نے پوچھا وہ کیسے؟ آپ نے فرمایا: ''جب عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ الفاظ کہے تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتدا ہوگئی پھر قسم کہاں باقی رہی۔''

☆ شاہ عبدالعزیز اور عیسائی پادری

دہلی میں ایک انگریز افسر نے ایک پادری سے کہا کہ شاہ عبدالعزیز کو بحث میں ہراؤ تو جانیں۔ پادری صاحب بحث کے لیے آمادہ ہو گئے اور پہنچے شاہ صاحب کے پاس۔ جاتے ہی کہنے لگے: شاہ صاحب! میں اپنی بات کا جواب معقول چاہتا ہوں، منقول اور کتابی جوابوں سے

کام نہ چلے گا۔شاہ صاحب نے فرمایا: بہت اچھا، میں ہر بات کا معقول جواب ہی دوں گا۔

پادری صاحب نے پوچھا: ''یہ کیا بات ہے کہ آپ کے پیغمبر خدا کے محبوب ہیں اور امام حسینؓ ان کے نہایت چہیتے نواسے تھے۔لوگوں نے انہیں شہید کر دیا، نہ خدا نے پروا کی اور نہ خدا کے محبوب نے توجہ دلائی۔'' شاہ صاحب نے فرمایا: ''ہمارے پیغمبر نے تو توجہ دلائی تھی لیکن خدائے تعالیٰ نے جواب دیا: میاں! تمہیں اپنے نواسے کی پڑی ہے یہاں ظالموں نے میرے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کو سولی پر چڑھا دیا۔ مجھے ذرا اس کی فکر سے تو فارغ ہونے دو۔'' پادری صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

☆ شاہ عبدالعزیز اور انگریز ریذیڈنٹ

دہلی کا ریذیڈنٹ شاہ عبدالعزیز سے ملنے آیا۔ باتوں باتوں میں کہنے لگا: ''شاہ صاحب! میں نے ایک بات کئی عالموں سے پوچھی، کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا۔'' آپ نے فرمایا: ''وہ کونسی بات ہے؟'' کہنے لگا: ''سوال یہ ہے کہ ایک مسافر راستہ بھول گیا ہے۔ رستے میں وہ دیکھتا ہے کہ ایک شخص سامنے پڑا سو رہا ہے اور ایک دوسرا شخص اس کے پاس بیٹھا ہے۔ اب مسافر جاگتے سے رستہ پوچھے یا سوئے ہوئے آدمی سے؟'' شاہ صاحب تاڑ گئے کہ سائل کی مراد سوتے آدمی سے حضرت محمدؐ کی ذات ہے اور جاگتے آدمی سے حضرت عیسیٰؑ کیونکہ وہ انہیں زندہ مانتے ہیں۔شاہ صاحب نے فوراً جواب دیا کہ ''جاگنے والا خود اس انتظار میں بیٹھا ہے کہ سونے والا اٹھے تو اس سے راستہ پوچھوں، مسافر کو چاہیے کہ وہ سوتے آدمی کے جاگنے کا انتظار کرے۔''

☆ سوداگر کا بیوی کو طلاق دینا اور شاہ عبدالعزیز

ایک سوداگر کو اپنی بیوی سے بڑی محبت تھی لیکن بیوی کے باپ سے بہت ناخوش تھا، اس لیے جب وہ سفر پر جانے لگا تو بیوی سے کہہ دیا میرے بعد اگر تو اپنے باپ کے گھر گئی تو تجھ پر طلاق ہے۔ اتفاقاً اس کا باپ کچھ عرصہ بعد بیمار ہوا اور مر گیا۔ بیوی سے نہ رہا گیا، چار و ناچار اسے باپ کے گھر جانا پڑا۔ سوداگر آیا تو بہت پریشان ہوا کہ بیوی خواہ مخواہ ہاتھ سے گئی۔ کئی عالموں سے فتویٰ پوچھا، سب نے یہی کہا کہ طلاق واقع ہوگئی۔ شاہ عبدالعزیز کے سامنے مسئلہ پیش ہوا، آپ نے برجستہ فرمایا: باپ کے مرنے کے بعد وہ گھر باپ کا کب رہا وہ تو خود بیٹی کا ہوگیا، اس لیے سوداگر کی بیوی باپ کے گھر نہیں گئی اپنے گھر گئی ہے پھر طلاق کیوں کر ہوئی۔